



من باشما هستم کامل

لاریب حنیف

NOVELS KI DUNIYA

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ---

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَاب-----

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں--

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya"](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں ---

شکریہ-----

من باشما کامل ہستم

از قلم: لاریب حنیف

قسط نمبر 3:

سورج تقریباً ڈھل چکا تھا ہلکی زرد روشنی ابھی پھیلی ہوئی تھی۔ جسے شام کا اندھیرا آہستہ آہستہ ختم کر رہا تھا۔ عائشہ کچن میں کھڑی چپاتیاں بنا رہی تھی۔ اور ساتھ کھڑی حسان کی امی ہانڈی دیکھ رہی تھی۔

“عائشہ بس یہ سالن تیار ہے۔ باقی جو اضافی ڈشز ہیں۔ وہ تو پہلے ہی تیار کر لیں تھیں۔ کھیر بھی فریج میں رکھ دی تھی میں نے بنا کر۔ فرید بھائی اور قمر آتے ہی ہوں گے۔ تم یہ چپاتیاں بنا لو تو ان کے لیے کھانا نکال دینا۔ بچے چاہے ابھی نہ بھی کھائیں تو جب ان کا دل ہو گا کھالیں گے۔“

حسان کی امی، عائشہ کی جیٹھانی تھی۔ مگر ہمیشہ اتفاق، سلوک سے رہی تھیں۔ فرید اور قمر دونوں سر شام ڈیرے سے واپس آتے تھے۔ تو ان کے لیے کھانا نکالنے کی تاکید کرتے ہوئے ریحانہ باہر چلی گئی تھی۔

بڑے برآمدے کے ایک طرف بنے دادی کے کمرے میں سب جمع تھے۔ بیڈ پر کمبل میں دادی کے ساتھ عنایہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں دوسری طرف انزم بھی پیر کمبل میں دیے بیٹھی تھی۔ اور سامنے

ایک چھوٹے صوفے پر علی بیٹھا تھا۔ تو دوسرے پر انعم بیٹھی تھی۔ درمیان میں کافی جگہ خالی تھی۔ جہاں کوئلوں سے بھری انگلیٹھی رکھی ہوئی تھی۔ جس نے پورے کمرے کو قدرے گرم کر رکھا تھا۔ انعم گھٹنوں کو اوپر سمیٹ کر بیٹھی تھی۔ اور ایک شال کو گھٹنوں سے لا کر پیروں کے نیچے ٹکایا ہوا تھا۔ سب اپنی اپنی جھولیوں میں کس ڈرائی فروٹس لے کے بیٹھے تھے۔

انعم بال کھولے بیٹھی تھی۔ اس کے بال کافی اچھے تھے جو آدھی کمر تک آتے تھے۔

“انعم کیا بالوں کو بکھیر کر بیٹھی ہو۔ الجھن نہیں۔ ہو رہی تمہیں۔ چلو سمیٹو انہیں۔“

“عنایہ آپ! اگر آپ کو الجھن ہوتی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سب کو بھی ہوتی ہو۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔“

وہ ایک ادا سے بولی تھی۔ تو دادی مسکرائیں۔ اور عنایہ کو تپ چڑھی تھی۔ تبھی حسان سب کو یہاں جمع دیکھ کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح کافی خوش شکل اور خوش مزاج لگ رہا تھا۔

“ارے واہ حسان بھائی آگئے۔ کہاں تھے آپ۔ اتنی سردی میں آپ لوگوں کی ہمت کیسے ہو جاتی ہے باہر نکلنے کی۔ اففف“ وہ آنکھیں پھیلائے پوچھ رہی تھی۔ تو حسان کو شرارت سو جھی۔

“بلکل ویسے، جیسے ہفتے بعد تمہاری ہمت ہو جاتی ہے نہانے کی۔“

سب ہنس پڑے تھے۔ حسان نے دادی کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پر خود کو ٹکا لیا تھا۔

“ہا، ہائے۔ ہفتے بعد کہاں۔ ہر دوسرے دن تو نہاتی ہوں۔ چاہے یہ کام دل پر پتھر رکھ کر ہی کروں پر کر تو لیتی ہوں نا۔“ انعم حسان کی بات پر بلبلا کر رہ گئی تھی۔ تبھی ایرھا داخل ہوئی۔ اور عنایہ کی جانب دیکھ کر بولی تھی۔

“عنایہ آپ! وہ سر درد کی ٹیبلٹ کدھر ہے۔ کچھ پتہ آپ کو۔“

“وہ یہ ادھر والے دراز میں پڑی ہوگی۔ کیوں کیا ہوا۔ کس کے سر میں درد ہو رہا؟“ عنایہ قدرے فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔ تو ایرھا گولی نکالتے ہوئے بولی تھی۔

“کچھ نہیں۔ وہ بس میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میڈیسن لے کر سو جاؤں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔“

“ارے بس اسے گولی دے رہے ہو۔ اس کا درد بھی بانٹو کوئی۔“ انعم اسے جاتا دیکھ کر جلدی سے بولی تھی۔ تو ایرھا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ انعم چاہتی تھی کہ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھ جائے۔

“اس کا چھوڑو۔ اس کا درد ٹیبلٹ سے ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا درد بانٹنے کا ایک طریقہ ہے میرے پاس۔ سننا چاہو گی۔“ حسان انعم کی بات پر فوراً بولا تھا۔ تو ایرھا رک گئی تھی۔ انعم کو لگا حسان کچھ اچھا بولے گا۔ تو ہاں میں سر ہلا گئی۔ حسان گلا کھنکھار کر بولنے لگا تھا۔

“تمہارا درد بانٹنے کے لیے ارشاد ہے :

چلو آؤ ہم درد بانٹتے ہیں

تم دروازے میں انگلی دو، مل کر چنچیں مارتے ہیں۔

کیوں کیسا لگا آئیڈیا انعم۔ اچھا ہے ناں؟“

حسان دانت نکوس کر انعم اے پوچھ رہا تھا۔ تو اس کا منہ بن گیا۔ ایرھا نکل گئی تھی۔۔ اور باقی سب کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

بس یہی باتیں کرنی آتی آپ کو۔ کوئی ڈھنگ کی بات تو نہیں کر سکتے آپ۔ کم از کم ہمارے ساتھ تو بالکل نہیں کر سکتے۔“ انعم منہ پھلائے بول رہی تھی۔ تو حسان کا منہ کھل گیا۔ وہ جلدی سے آگے کو ہوا۔

“نہ یہ بات نہ کرنا۔ انعم بی بی۔ چیلنج مت کرنا۔ کیونکہ ہم تو وہ ہیں۔ جن سے پیپر میں کچھ ایسا آیا کہ

چیلنج کسے کہتے؟ تو میں نے بھی سارا پیپر خالی چھوڑ کر آخری پیج پر لکھ دیا۔
اپنی باپ کی اولاد ہو تو پاس کر کے دکھاؤ۔

😊😊 It's called aa Challenge-"

حسان دانت نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ ہوں ہنستے مسکراتے بہت اچھا لگتا تھا۔

“انعم، انعم۔ تمہاری زلفوں کے لیے مجھے ایک بہت اچھا شعر یاد آ رہا ہے۔ انعم کے منع کرنے سے پہلے ہی وہ بولنے لگا تھا۔

تیری زلفیں ہیں گپ اندھیرا

ہو جاگنچی، کر دے سویرا

انعم نے بے چارگی بھری نظروں سے حسان کو دیکھا۔ سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔ اسے پتہ تھا حسان سے ہمیشہ اس کا مذاق بنتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ چپ نہیں رہتی تھی۔

”انعم تم ان کو چھوڑو۔ ان کی بیگم کی زلفوں کے بارے میں میں کچھ عرض کرتا ہوں۔

کبھی روٹی کے ٹکڑوں میں، کبھی سالن کے پیالوں میں۔

تیری زلفوں کا دیدار بیگم ہر نوالے میں۔“

سب کا بات بات پر قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ اور باقی گھر والوں کو تو اب اس سب کی عادت ہو گئی تھی۔

”اچھا چلو بس بہت ہو گیا۔ اٹھو سب اور کھانا کھاؤ چل کر۔ پھر آذان ہو جائے گی۔ نماز کا وقت نکل جائے گا۔ چلو اٹھو شاباش۔ دادو آپ کا کھانا میں یہیں لا کر دیتی ہوں۔“

اب اٹھ کر باہر نکل گئے۔ صحن کو عبور کر کے سامنے ڈائیننگ روم تھا۔ سب وہاں کا رخ کر رہے تھے۔ تبھی عنایہ نے حسان کو روکا۔ اور وہ رک گیا۔

”وہ تم سے کچھ بات کرنی تھی۔ رک دو منٹ۔ بیٹھ جاؤ۔“

عنایہ خود بھی بیٹھ گئی تھی۔ اور اسے بھی بیٹھنے کا کہہ رہی تھی۔ وہ بیٹھ گیا۔ اور تجسس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

عنایہ نے کل ہونے والی بات ساری حسان کو بتا دی۔ تو وہ باہم ہاتھوں کو ملائے ساری بات سنتا رہا۔ اور پھر آخر میں قہقہہ لگایا۔ تو عنایہ نے اسے اچھنبے سے دیکھا۔ تو اس کی ہنسی بریک لگی۔

"اوہو۔ یار میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں ایسے فلمی ہیروئن بن کر میرے پیچھے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں تھا تمہارے پیچھے آنے کا۔ وہ تو بس وہ لڑکی کہہ رہی تھی کہ تمہارے سر سے خون نکل رہا تھا۔ تو میں چلی گئی۔"

وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ تو حسان نے گہری سانس لی۔

"اچھا یار۔ یہ تو کافی برا ہوا ہے۔ لیکن اب کیا کر سکتے ہیں۔ اب تمہیں نئی سرے سے اسائنمنٹ بنانی شروع کر دینی چاہیے۔"

"کتنی بار کہا ہے کہ یہ یار لفظ مت استعمال کیا کرو۔ وہ تو ہو گیا جو ہونا تھا۔ مگر اب میں اسے اسی کے انداز میں جواب دوں گی۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے آنکھیں جھپکائیں بغیر بول رہی تھی۔ اور اس کی لبوں پر ہلکا طنزیہ تبسم تھا۔ تو حسان ٹھٹھکا تھا۔

"کیا کرو گی تم۔ ہاں بتاؤ عنایہ۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کچھ نہیں بس اپنی چیز اس سے واپس لوں گی۔ اور یہ کام تم کرو گے۔"

NOVELS KI DUNIYA

"کیا مطلب۔ کیا کرنا ہے۔۔؟" حسان نے نا سمجھی تو پوچھا۔

"تم اپنے کسی دوست کو ساتھ لے کر ارتج کے گھر سے مجھے لیپ ٹاپ واپس لا کر دو گے۔" وہ بڑے آرام سے بول گئی تھی۔ تو حسان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہیں؟ کیا مطلب۔ کیسے لائیں گے ہم۔ منتیں کرنی ہے اس کی کہا؟۔ اگر ہاں تو خود ہی کر لو۔ مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام" وہ منہ بنا کر کہہ رہا تھا۔ تو عنایہ کہ غصہ آیا۔

"بے وقوف۔ منتیں کیوں کرنی ہیں۔ اس سے چھپا کر۔ مطلب اسے نہیں پتہ چلنا چاہیے کہ لیپ ٹاپ غائب ہو گیا ہے۔ ایسے لے کر آنا ہے۔"

وہ ابھی تک نا سمجھی بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تو وہ بولی۔

"اتنے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے گھر کی پچھلی دیوار چھوٹی ہے۔۔ تم اور محب آسانی سے پھلانگ جاؤ گے۔ پھر بس لاؤنچ کونسا لو کڈ ہو گا۔ اوپر والے فلور پر دائیں ہاتھ پہلا کمرہ ارتج کا ہے۔ تم لوگوں کا کام یہ ہے کہ رات کے ایک بجے کے قریب خاموشی سے اس کے کمرے سے لیپ ٹاپ اڑا لانا۔ بس گارڈ کو بھنک نہ پڑنے دینا۔ بس اتنا سا تو کام ہے۔"

ساری بات سن کر گہری سانس لی تھی۔ عنایہ پر امید نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مطلب عنایہ تم اس کے گھر سے چوری کرواؤ گی۔ ہے نا۔"

"پاگل وہ میری چیز ہے۔ دھوکہ تو اس نے کیا ہے۔ میں بس اسے اس سے واپس لے رہی

ہوں۔۔"

"چرا کر۔" حسان نے اس کی بات کاٹی تھی۔۔

"نہیں۔ یہ چوری نہیں ہے۔ چوری تب ہوتی اگر اس سے پوچھے بنا اس کی چیز غائب کرواتی۔ یہ تو میری چیز ہے بس اسے واپس لے رہی ہوں۔"

"تم لے اپنی ہی چیز رہی ہو۔ مگر یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کام تو ٹھیک ہے ناں۔"

عناویہ پر حسان کی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔ فلحال اپنی علم کے مطابق دونوں بات ٹھیک کہہ رہے تھے کہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ مگر کام ٹھیک ہے۔ حسان نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ تبھی مغرب کی آ آذان کی صدائیں بلند ہونے لگیں تھیں۔ تو وہ اٹھ گئی۔

"چلو۔۔ اب یہ سب کیسے کرنا ہے۔۔ تم یہ سوچ لو۔ اور کس دوست کو ساتھ لے کر جانا۔ سب سوچ لو۔ میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ آکر بات کروں گی تم سے۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اور حسان وہیں بیٹھا حساب لگا رہا تھا کہ سب کچھ کیسے کرنا ہے۔۔

اس نے پورے اہتمام سے وضو کیا۔ اور پورے اہتمام سے نماز ادا کی۔ کچھ دیر دعا کرتی رہی۔ جس میں حسان کے مشن میں کامیاب ہو جانے کی دعا بھی شامل تھی۔ پھر جائے نماز طے کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور الماری سے روز کی طرح قرآن مجید نکالا۔ اور بیڈ پر آکر بیٹھ گئی تھی۔ گرے دوپٹے

میں اس معصوم چہرہ ہمیشہ کی طرح دمک رہا تھا۔ ناک میں پہنی لونگ ہلکی سی روشنی پڑنے پر چمک اٹھتی تھی۔

اس نے اپنا سبق نکالا۔ اور پہلے ایک صفحہ تلاوت کر کے اب ترجمہ پڑھ رہی تھی۔ سارا صفحہ پڑھ چکی تھی۔ مگر اپنے مطابق کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔ تو دوبارہ پڑھنے لگی تھی۔ کہ وہ کہیں کچھ مس کر رہی ہو گی۔ صفحہ کے درمیان میں پہنچ کر اس آیت کو پڑھتے اس کے ذہن میں اچانک جھماکہ ہوا تھا۔

" اور یہ کچھ بھلائی نہیں کہ گھروں میں پچھیت توڑ کر آؤ۔ ہاں بھلائی تو پرہیزگاری ہے۔ اور گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔" (سورت

البقرہ 189)

اس آیت کے متعلق تفسیر میں پڑھی باتیں اس کے ذہن میں چلنے لگی تھیں۔ یہ حضور پاک کے زمانے میں تھا۔ کہ جب لوگ حج یا عمرہ کرنے جاتے۔۔ تو اگر انہیں کوئی بہت ضروری کم پڑ جاتا۔ اور راستے سے ہی واپس جانا ان کی مجبوری بن جاتی۔ وہ لوگ اپنے گھر میں پچھلی دیوار کو پھلانگ کر داخل ہوتے تھے۔ وہ دروازے سے اندر نہیں آتے تھے۔ یہ اس وقت کی ایک حساب کی رسم بن گئی تھی۔ اس لیے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

کہ نبی پاک سے فرمایا گیا کہ لوگوں کو تاکید کریں کہ جب بھی وہ گھروں میں داخل ہوں تو دروازے سے داخل ہوں۔ کیونکہ پیچھے سے گھروں میں آنے کو غلط عمل قرار دیا گیا تھا۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ گھروں میں پیچھے سے آنا گناہ نہیں تھا۔۔ مگر وہ طریقہ غلط تھا۔ تو طریقہ غلط ہونے سے عمل بھی غلط قرار دیا گیا تھا۔

تو کوئی بھی ٹھیک کام اگر غلط طریقے سے کیا جائے گا تو وہ کام بھی غلط ہو گا۔
عناہ کے ذہن میں اپنی اور حسان کی ساری باتیں کسی ریکارڈ فلم کی طرح چلنے لگی تھیں۔

" یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے عناہ۔۔ " حسان بول رہا تھا۔

" کام تو ٹھیک ہے نا۔۔ " عناہ بول رہی تھی۔

اس نے آنکھیں میچ لیں۔ اس کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ اس طریقے سے یہ کام نہیں کر سکتی۔

" آف۔ یا اللہ میں کیسے بھول گئی تھی۔ کہ آپ سے بات کیے بغیر میں کیسے کوئی فیصلہ کر سکتی ہوں۔ مجھے تو ہر فیصلے سے پہلے آپ کی ہاں، ناں دیکھنی تھی ناں۔ پھر میں کیسے آپ سے مشورہ کرنا بھول گئی۔۔ اپنے سب سے اچھے دوست سے۔ جو ہمیشہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔ آئی۔ ایم۔ سوری یا اللہ۔ آئی۔ ایم۔ ریٹی سوری۔ "

وہ بے خود سی خود سے بول رہی تھی۔ ایک آنسو ٹوٹ کر قرآن کے صفحے پر گرا تھا۔ ہر دن کیا ہو گیا تھا۔ یا جو ہونا تھا۔ جو اہم ہوتا تھا۔ ہر شام اسے اس کتاب سے باخبر کر دیا جاتا تھا۔ اور اس سے بڑا کوئی احسان ہو سکتا تھا کیا۔؟

وہ تلاوت مکمل کرتے ہوئے چومتے ہوئے اسے احتیاط سے الماری میں رکھتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ تو سامنے حسان بیٹھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر اٹھ کر آیا۔ اور بولا۔

" میں نے سارا سوچ لیا ہے کہ کیسے کرنا اب۔ دیکھنا کسی کو کچھ پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اور تمہارا لپ ٹاپ تمہارے پاس ہو گا۔ " وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ عناہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"نہیں چاہئے۔ تم اب یہ نہیں کرو گے۔" وہ اٹل انداز میں کہہ رہی تھی۔ تو حسان کا منہ کھل گیا۔

"ہیں؟ وہ کیوں بھلا۔ ابھی تو ساری پلیننگ کر کے گئی تھی۔ یہ اندر سے ہو کر آئی ہو تو ایسا کیا ہو گیا۔ کہ ایسے کہہ رہی ہو۔۔" حسان کی حیرت کم نہیں ہو رہی تھی۔ عنایہ نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ گرے رنگ کے جوڑے میں ملبوس، اس کے ساتھ کے ہم رنگ دوپٹے کو چہرے کے گرد ہمیشہ کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ اور آگے، پیچھے دوپٹہ پھیلا یا ہوا تھا۔ ایسے کہ اس کا جسم کور تھا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں ہلکی سرخ ہو رہی تھیں۔

"بس کہہ دیا نہیں۔ تو نہیں۔ بس اب اس بات کو ختم کر دو۔ وہ خود ہی کام ہو جانے کے بعد کسی کے ہاتھ مجھے کاٹا دے گی۔"

وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ اور وہ کندھے آچکا کر رہ گیا تھا۔ پھر اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ شام کی سرخی کو رات کے اندھیرے نے مکمل طور پر ختم کر دیا تھا۔ گیٹ کے پاس دو گارڈ مستعد سے بیٹھے تھے۔ اور ساتھ پورچ میں تین لینڈ کروزر اور ایک سفید ہیلکس کھڑی تھی۔ جسے عنایہ بے مقصد اندرونی کھلے دروازے سے دیکھ رہی تھی۔

آسیہ ولا میں آج پہلے کی نسبت قدرے ہلچل تھی۔ سنہری صبح بھیک رہی تھی۔ کشادہ لان میں سبز گھاس پر شبنم کے قطرے ہلکی سی دھوپ کی کرنوں سے۔ موتیوں کی طرح چمک اٹھتے تھے۔ اندرونی مین بڑے دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ سامنے لاؤنچ کے ایک طرف بنے ڈائننگ ہال میں

زونائشہ اور آسیہ بیٹھے ناشتہ کر رہی تھیں۔ اور زونائشہ منہ میں قدرے بڑے نوالے رکھ رہی تھی۔ اور ساتھ جوس کا گلاس تھوڑی تھوڑی دیر بعد لبوں سے لگا لیتی تھی۔

"زونائشہ یہ کیا طریقہ ہے بیٹے کھانے کا۔ چھوٹے نوالے لو۔ کہاں کی جلدی پڑی ہوئی تمہیں۔؟"

آسیہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

مگر وہ ہنوز پہلے سے کھانے میں مصروف تھی۔ اس پر ان کی بات کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بار بار گھڑی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"امی، یہ مرتضیٰ بھائی کہاں رہ گئے ہیں۔ آج میرا کالج کا پہلا دن ہے اور یہ دیکھیں مجھے لیٹ کروائیں گے۔ مرتضیٰ بھائی، آ بھی جائیں اب۔"

اس نے آخر میں مرتضیٰ کو آواز لگائی تھی۔ تبھی سامنے سے مرتضیٰ زینے پھلانگتے ہوئے نیچے آیا۔ بلیک جینز پر بلیک ڈریس شرٹ پہنے، اوپرے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ چہرے پر ازلی سنجیدگی برقرار تھی۔ ہلکی بیرڈ کو نفاست سے تراشے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح بے حد وجیہہ دکھ رہا تھا۔ زونائشہ کو یوں شور مچاتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مبہم سے مسکراہٹ آئی تھی۔ وہ جلدی سے بیٹھا۔ اور بریڈ پر جیم لگا کر کھانے لگا تھا۔ اور ساتھ وقفے وقفے سے جوس کی گھونٹ بھر لیتا تھا۔

کثرتی بازو پر Rolex Brand کی گھڑی آستینیں مڑی ہونے کی وجہ سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ پانچ منٹ بعد ہی اٹھ گیا تھا۔ اس نے آج یونیورسٹی نہیں جانا تھا۔ آج آفس کے سارے معاملات اسے چیک کرنے تھے۔ کافی ساری ڈیلز پینڈنگ تھیں۔ اسے سارے پارٹنرز سے مل کر وہ ڈن کرنی تھیں۔

زونائشہ بھی اسے اٹھتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جلدی سے اندر کی طرف گئی تھی۔ تو مرتضیٰ چابی اٹھاتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ اور آسیہ اندر زونائشہ کے پاس گئیں۔ وہ بیگ میں کچھ رکھ رہی تھی۔

"زونائشہ بیٹا، بڑی چادر اوڑھ کر جانا۔ تمہیں پتہ ہے ناں بھائی کو بے پردہ عورتیں جتنی بھی اچھی ہوں۔ اسے اچھی نہیں لگتیں۔" آسیہ نے زونائشہ کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔ تو اس نے منہ ان کی طرف کیا۔

"ظاہر سی بات ہی امی جو عورت اپنے عورت ہونے کا پاس نہ رکھے۔ وہ بھلا کس اچھے اور خیر خواہ مرد کو پسند آسکتی ہے۔ آپ بے فکر رہیں چادر اوڑھ کر ہی جاؤں گی۔" وہ پیار سے بول رہی تھی۔ تو آسیہ مسکرا دیں۔ اور اس نے جلدی سے بیگ کی سٹرپ اٹھاتے ہوئے اسے کندھے پر ڈالا۔ اور چادر اچھے سے اوڑھتے ہوئے امی کے گلے لگی۔ اور باہر نکل گئی۔

"اللہ حافظ۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ اور میرے واپس آنے تک بہت اچھا سا کھانا تیار رکھوائیے گا۔" لو یو۔

وہ بولتی ہوئی جارہی تھی۔ اور جلدی سے لاؤنچ کے باہر کے چھوٹے تین زینے پھلانگتے ہوئی باہر مرتضیٰ کے پاس آکر رکی۔ مرتضیٰ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اور سر پر بوسہ دیا۔

"بھائی مجھے نہیں جانا اس چھوٹی سی گاڑی میں۔ وہ بلیک ہیلیکس پر جاتے ہیں ناں۔ پلیز یہ بہت چھوٹی لگتی مجھے۔"

زونائشہ منہ بنا کر اس کی گاڑی میں جانے سے منع کر رہی تھی۔ وہ مرتضیٰ کی B.M.W کو چھوٹی سی کار کہہ رہی تھی۔ جس پر مرتضیٰ نے اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اور پھر سر ہلا کر چمچاتی سیاہ ہیکس کی جانب بڑھ گیا۔ حالانکہ اسے صرف اپنی گاڑی میں جانا پسند تھا۔ مگر وہ اس کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔

زونائشہ کا بھی رزلٹ نہیں آیا تھا۔ مگر کالجز میں سرکیمپ کے لیے داخلے ہو رہے تھے۔ اس لیے وہ اسے لے کر جا رہا تھا۔ تاکہ ایک بار کالج بھی دیکھ لے۔ تاکہ بعد میں یہ نہ کہہ دے کی اسے یہ کالج پسند نہیں ہے۔

گاڑی تیزی سے روڈ پر بھاگ رہی تھی۔ گاڑی میں ہلکا زونائشہ کی پسند کا میوزک چلا ہوا تھا۔ وہ مستی میں بیٹھی ہوئی شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی۔ مرتضیٰ نے ڈارک گلاسز پہنے ہوئے تھے۔ وہ سنجیدگی سے کبھی سامنے دیکھ رہا تھا تو کبھی سائیڈ پر دیکھتا تھا۔ اس نے کالج کے سامنے جا کر بریک لگائی۔ زونائشہ فٹ سے اتری تھی۔ مرتضیٰ چابی نکالتے ہوئے اترتے لگا تھا کہ ونڈو سکریں سے سامنے نظر پڑی۔ تو وہ چونکا تھا۔

اسے سامنے گاڑی سے عنایہ اترتے ہوئے دکھائی دی تھی۔۔۔ عنایہ اپنے تایا کے ساتھ انزم اور انعم کو ایڈمیشن کے لیے لائی تھی۔ وہ چاروں اترتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔ تو وہ بھی اترا، گاڑی لاک کرتے ہوئے زونائشہ کو لیے اندر بڑھ گیا۔ اسے صبح خوشگوار محسوس ہونے لگی تھی۔ پر اس نے کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

زونائشہ کا ایڈمیشن کروانے کے بعد وہ اسے گھر ڈراپ کر کے خود آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ اور
عناہ اپنی یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تھی۔ انزم اور انعم کو قمر صاحب نے گھر چھوڑ دیا تھا۔ اور خود
زمینوں پر نگرانی کے لیے نکل گئے تھے۔

لو آج پھر سے ہار مانی
لو جھک گئے ہم آج پھر
لو آج پھر سے توڑا ضد کو
آنا کو دی تکلیف آج پھر
ہتا معلوم ہے یہ سفر مسلسل
پر باندھا ہے رخت سفر آج پھر
کبھی تو ہو جائے لا حاصل بھی حاصل
اٹھی ہے دل میں یہ آس آج پھر
وہ بھی دیکھیں کبھی اس اوڑھ لیل
پلنے لگی ہے یہ حسرت آج پھر
(لاریب حنیف)

آئرلینڈ آدھی رات کے اندھیرے میں بھی دن کی جیسی رونق رکھتا تھا۔ یہاں رات کو , Pubs , Bars , Clubs رات گئے تک کھلے رہتے تھے۔ جہاں کثیر تعداد میں منچلے اپنی شاموں کو خوشگواہی بناتے تھے۔

ویسے ہی ڈبلن کے City Center کے قریب ایک نائیٹ کلب سے گانوں کی اونچی آوازیں باہر آرہی تھیں۔ کافی دور سے گزرتے ہر شخص کو صاف آواز سنائی دے رہی تھی۔ ویسے ہی اس سے کچھ دور ایک لڑکا ہڈی پہنے گھڑا تھا۔ ہڈی نے اس کے چہرے کو مکمل طور پر چھپایا ہوا تھا۔ یا اس نے خود اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ مگر وقفے وقفے سے وہ اپنی گہری ، پرکشش آنکھوں سے بغور سامنے کلب کی جانب دیکھتا تھا۔

کلب کے اندر کا ماحول ویسا ہی تھا جیسا عام طور پر سارے نائیٹ کلب کا ہوتا ہے۔ روشنیوں سے جگمگاتی جگہ۔ ، کان پھاڑ دینے کی حد تک اونچا میوزک ، جو وہاں موجود لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں دے رہا تھا۔ شاید وہ لوگ عادی ہو چکے تھے۔ بالکل چھوٹے کپڑوں میں ملبوس ایک لڑکی کے گرد چھے ، چھ لڑکے ناچتے ہوئے اور اسے یوں اوپر سے نیچے تک ایسے گھورتے ہوئے جیسے اپنی غلیظ نگاہوں سے ہی سارہ مزہ لے لیں گے۔ لیکن وہاں موجود کسی لڑکی کو کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

پانی کی طرح شراب کا استعمال ہو رہا تھا۔ ہر شخص نشے میں دھت دکھائی دے رہا تھا۔ انہی میں سامنے ہیری ایک گروپ میں کھڑا لڑکھڑاتا ہوا ڈانس کر رہا تھا۔ وہ اب حوش کھونے لگا تھا۔ اس لیے سب کو ہاتھ ہلاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

تقریباً رات کے دو بج رہے تھے۔ جب اس ہڈی پہنے شخص کو سامنے دروازے سے ہیری نکلتا نظر آیا۔ وہ وقت ضائع کیے بنا تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ ہیری پارکنگ ایریا کی طرف جا رہا تھا۔ تاکہ گاڑی لے کر زیادہ حواس کھونے سے پہلے گھر پہنچ جائے۔ وہ گاڑی کا دروازے کھولنے ہی لگا تھا کہ اسے اچانک کسی نے پورے زور سے پیچھے کو کھینچا تھا۔

وہ بالکل نا سنبھل پایا تھا۔ اور پورا گھومتے ہوئے اس شخص کی جانب پھر گیا تھا۔ جس چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ایک زوردار مکہ ہیری کے منہ پر رسید کیا۔ جس سے ہیری کا دماغ گھوم گیا تھا۔ اور وہ نیچے گر گیا تھا۔

اب۔ وہ اس پر جھکے اسے یکے بعد دیگرے مکے اور تھپڑ رسید کر رہا تھا۔ اس کے مکوں سے ہیری کو اس کے جسم کی طاقت کا خوب اندازہ ہو رہا تھا۔ ہیری بار بار آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ اسے سانس نہیں لینے دے رہا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔ کون ہو تم۔ کیوں مار رہے ہو؟ چھوڑو مجھے۔۔" ہیری نے اٹکتے اٹکتے بات پوری کی تھی۔ مگر وہ اسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔ ہیری کی آنکھ اور ہونٹوں کے پاس سے لبالب خون رسنے لگا تھا۔

"کیارا، کا پیچھا چھوڑ دو۔ تم مجھے آمیندہ اس کے آس پاس کہیں نظر نہ آو۔ سمجھے تم۔"

وہ اسے اسی کی زبان میں کہہ رہا تھا۔ اور ہیری نے ہاں میں بار بار سر ہلایا۔ کیونکہ بولنے کی سکت اس میں بالکل نہیں رہی تھی۔ اس نے اسے وہیں ایک جھٹکے سے چھوڑا۔ اور خود واپس قدم موڑ لیے۔

تھوڑا آگے جا کر ہی اس نے ایک دم سے ہڈی کو پیچھے گرایا۔ اس کے ہاتھ سے پیری کے منہ سے نکلنے والا خون قطروں کی صورت میں گرنا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت صاف دکھائی

دے رہی تھی۔ سنہری پیشانی پر ڈھیروں بل پڑے ہوئے تھے۔ زاویار چلتے ہوئے پارکنگ ایریا سے باہر نکل گیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اسے پہنی ہوئی ہڈی سے الجھن ہو رہی تھی۔ جیسے یہ اسے کچھ خاص پسند نہ ہو۔ وہ جینز کے جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنے فلیٹ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

عنایہ نے کسی اور ٹوپک پر دوبارہ اسائنمنٹ بنالی تھی۔ اور ٹائم پر دے بھی دی تھی۔ مگر وہ پہلے والی جتنی اچھی نہیں بنی تھی۔ اسی لیے اس بات ارتج کی پریزنٹیشن سب سے اچھی تھی۔ اور عنایہ دوسرے نمبر پر آئی تھی۔ مگر اسے افسوس نہیں تھا۔ کیونکہ جو اگر اللہ کی مان لی ہے۔ تو خوشی سے اس پر بھروسہ رکھ کر اپنے حصے میں آنے والے خسارے بھی مسکرا کر قبول کر لو۔ وہ نقصان سے بڑھ کر فائدے سے نوازتا ہے۔

عنایہ نے سیاہ عبائے پر جارجٹ کا بی بی پنک سٹولر لپیٹا ہوا تھا۔ ہلکے رنگ میں اس کا ملائی سا نرم، شفاف چہرہ دمک رہا تھا۔ سیاہ بڑی آنکھوں میں قدرے تھکن نظر آ رہی تھی۔ میک اپ کے نام پر اس کے چہرے پر کوئی چیز نہ تھی۔ مگر کسی کا بھی حوش اڑانے کو اس کا سادگی بھرا حسن ہی کافی تھا۔ دعا اور وہ چلتے ہوئے بیچ پر جا بیٹھیں۔ ان کے ہاتھ میں برگر تھا۔ جسے دعا تو پہلے سے چلتے ہوئے کھا رہی تھی۔ مگر عنایہ کہیں بیٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔

"جلدی کرو یا۔ یہ اب عین ٹائم پہ تمہیں برگر کھانا یاد آ گیا ہے۔ سر عظیم کی کلاس شروع ہونے والی ہے۔ ایک تو تمہاری بھوک کا کوئی علاج نہیں ہے۔۔" عنایہ دعا کو خفگی بھری نگاہوں سے دیکھ کر بول رہی تھی۔ تو دعا مسکرا دی تھی۔

"اچھا چلے جاتے ہیں۔ اتنی بھی کیا جلدی پڑی ہے تمہیں۔ پیچھے سے اندر چلے جائیں گے۔ سر کو نہیں پتہ چلے گا۔"

دعا کھاتے ہوئے بول رہی تھی۔ عنایہ بھی کھا رہی تھی۔ دو منٹ میں ہی عنایہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس نے دعا کو بھی بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا تھا۔ وہ اب کلاس کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ تبھی دعا بولی تھی۔

"ہاں یار وہ یاد آیا وہ Annual Diner کے فنکشن میں Singing کا حصہ بھی رکھا ہے۔ جو پارٹیسپیٹ کرنا چاہتے انہیں نام لکھوانا ہے۔"

ہمممم۔ اچھا پھر۔ "عنایہ نے سرسری سے لہجے میں کہا۔

"تو یہ کہ تمہاری تو واٹس اتنی پیاری ہے۔ تمہیں تو ضرور حصہ لینا چاہیے یار۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کلاس میں جانے سے پہلے ہم جا کر نام لکھوا کر آئیں گے۔ پھر تم تیار کر لینا جو سونگ تمہیں اچھا لگے۔ چلو پہلے ادھر جانا ہے۔"

دعا نے یک دم سے اس کا بازو کھینچ کر اسے دوسری طرف لے کر جانے لگی تھی۔ تو عنایہ سنبھل نہ سکی۔ اور اس کے ساتھ کھنچی چلی گئی تھی۔ پھر وہ سنبھلی تو رک گئی۔

"اوہو یار۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات کر رہی ہو۔ مجھے سوچنے تو دو۔ گھر جا کر دیکھ لیں گے۔ کل لکھوا لیں گے۔ اچھی چلو کلاس میں سیدھی ہو کر۔"

عناہ اسے کھینچتے ہوئے کلاس میں لے گئی۔ جس پر دعا کا دل بالکل راضی نہیں تھا۔ اس کا کلاس لینے کا موڈ نہیں تھا۔

شہزل آج بھی اسی مخصوص جگہ پر کھڑی تھی۔ اسے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ آج سوچ چکی تھی کہ وہ اپنے دل کی بات آج دانیال سے کہہ دے گی۔ کہ اسی وقت شہزل کی دوست پیچھے سے آتی ہے۔ تو وہ سیدھی ہو جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا چھوٹا ڈبہ تھا۔ شہزل وہ دیکھ کر قدرے حیران ہوئی تھی۔

"یہ لو مٹھائی کھاؤ۔ چلو لے لو۔" وہ بولی تھی۔ تو شہزل نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
 "اچھا لیتی ہوں۔ مگر یہ کس خوشی میں ہے یہ تو بتاؤ۔؟" شہزل مسکراتے ہوئے بولی۔ اور ساتھ ہی اس نے برنی کا ایک ٹکڑا اٹھایا تھا۔

"یار وہ بھائی نے دی تھی یہ مجھے۔ وہ دراصل وہ بھائی کا دوست ہے نا دانیال اس کی انگیجمنٹ ہو گئی ہے۔ اسی خوشی میں اس نے کھلائی تھی۔" وہ آرام سے بول گئی تھی۔ شہزل کو لگا اس کے کانوں نے کچھ دیر غلط سنا۔ اس کا منہ میں جاتا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔ جو تھوڑا سا ٹکڑا اس کے منہ میں تھا۔ اس سے وہ نگلنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ساکت سی ہو گئی تھی۔

"وہ بھائی بتا رہے تھے کہ اسکی خالہ کی بیٹی ہے۔۔ پسند کرتا ہے دانیال اسے۔ اور بہت جلد نکاح ہو جائے گا۔"

وہ بہت سکون سے سب کہہ رہی تھی۔ اور شہزل پلک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ وہ ہولے ہولے لرزنے لگی تھی۔ وہ اسے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کر کے وہاں سے نکل آئی۔ ہاتھ میں پکڑی مٹھائی اس نے راستے میں بے خود سی گرا دی۔ وہ کھوئی ہوئی سامنے یہ ٹک دیکھتے گاڑی تک پہنچی تھی۔ جہاں سب پہلے سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک دن عنایہ آگے بیٹھتی تھی۔ اور دوسرے دن شہزل بیٹھتی تھی۔ حسان انزم اور انعم کو انکے کالج سے لے آیا تھا۔ اب عنایہ اور شہزل کو یہاں سے لے کر بس نکلنا تھا۔ شہزل سکتے کی حالت میں تھکے قدموں سے چلتی آرہی تھی۔ وہ بالکل پاس آگئی۔ تو عنایہ بولی۔ وہ ابھی باہر ہی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

"چلو شہزل بیٹھ جاو۔ آج تمہاری باری ہے۔ چلو انعم ساتھ ہو ذرا۔ بیٹھنے دو مجھے۔ اور پلیز حسان تھوڑی تیز سپیڈ رکھنا۔ یہ آہستہ چلتی گاڑی مجھے پسند نہیں ہے۔" وہ کہتے ہوئے پیچھے بیٹھنے لگی تھی کہ شہزل خاموشی سے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔ تو عنایہ کو حیرت ہوئی۔ تبھی انعم بول پڑی۔

"یہ آگے بیٹھنے والی پرچیوں میں کبھی ہمارا نام بھی ڈال لیا کریں۔ ہم بھی اسی خاندان کی اولاد ہیں۔ کیوں ہم سے غیروں والا سلوک کیا جاتا ہے۔"

انعم تپ کر بولی تھی۔ جس کا کسی پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ تو وہ منہ بنا کر باہر دیکھنے لگی تھی۔ کچھ ٹائم میں ہی وہ گاڑی کو پورچ میں بریک لگا چکا تھا۔ سب باتیں کرتے ہوئے اتر رہے تھے۔ شہزل اسی طرح خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کے آنکھیں بھینگنے لگی تھیں۔ اس کی پکی عمر کی کچی محبت ٹوٹی تھی۔ جس سے دل چکنا چور ہو گیا تھا۔ جس کی آواز وہ اپنے اندر خوب اچھے سے سن سکتی تھی۔ وہ

شکستہ قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ اس کی خاموشی کو حسان نے نوٹس کر لیا تھا۔ مگر خاموش رہنا مناسب سمجھا تھا۔

آسیہ ولا کے لان میں سنہری دھوپ ڈھل رہی تھی۔ اور ہلکی بھیگی شام اتر رہی تھی۔ مگر سورج کی ڈھلتی کرنیں لان کے مخصوص حصے میں روشنی اور قدرے حرارت بکھیرے ہوئی تھیں۔ بڑے سے لان کے آخر پر شاندار عمارت اپنی خوبصورتی کے ساتھ کھڑی تھی۔

بلکل مرکز میں میز کے گرد سیٹ ہوئی کرسیوں پر زونائشہ اور آسیہ بیٹھی تھیں۔ شیشے کے میز پر Cup اور Saucer پڑے تھے۔ یہاں سے بیٹھے سامنے ٹیرس پر مرتضیٰ کے کمرے کی کھلی کھڑکی نظر آرہی تھی۔ اور اس سے جلتی ہوئی لائٹ بھی نظر آرہی تھی۔

"امی، مرتضیٰ بھائی گھر ہیں کیا؟ مجھے تو نظر نہیں آئے۔ یہ ان کے کمرے کے لائٹ کیوں آن ہے پھر؟ ان کی تو عادت ہے وہ جاتے ہوئے بورڈ پر ہاتھ مار کر چیزیں آف کر جاتے ہیں۔"

زونائشہ کمرے میں روشنی دیکھ کر اندازے لگا رہی تھی۔ اور ساتھ گال پر انگلی رکھی ہوئی تھی۔ سامنے سے فریج چٹیا بنا کر بال دونوں طرف سے آگے کو دھرے ہوئے تھے۔

"اوہو۔ ضروری تو نہیں کہ انسان ایک کام کرتا ہے تو ہر بار ضرور کرے۔ بھول گیا ہو گا وہ۔ یا جلدی میں ہو گا۔ وہ گھر پہ نہیں ہے۔" آسیہ بی بی چائے کپ میں تھوڑا اونچا کر کے دھار بناتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی تھیں۔ تو وہ ہاں میں سر ہلا گئی۔ تبھی ہارن کی آواز آئی۔ اور

دروازے کے بالکل ساتھ بنے شیلٹر سے چوکیدار نکلا اور اس نے مستعدی سے دروازے کھولا۔ اور دروازے کے دونوں جانب دو گارڈ ہاتھوں میں گن لیے چاک و چوبند سے گھڑے تھے۔

دروزی کھلتے ہی مرتضیٰ زن سے گاڑی اندر لے آیا تھا۔ زونائشہ اور آسیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو وہ دونوں مسکرا دیں۔ اور وہ چابی جینز کی جیب میں ڈالتے ہوئے ان کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے سفید ڈریس شرٹ پر سلیٹی رنگ کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ بال پیچھے کو کیے وہ ہمیشہ کے جیسا سنجیدہ اور وجیہ دکھ رہا تھا۔ اس کے دراز قد کے ساتھ چوڑی جسامت پر ہر چیز سوٹ کرتی تھی۔ وہ آفس سے ساری معاملات ہینڈل کر کے آیا تھا۔ اس لیے ایسی فارمل ڈریسنگ میں ملبوس تھا۔

وہ ان کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اور ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھ گیا۔ اور ہاتھ میں تھاما چاکلیٹ کیک کا ڈبہ سامنے رکھا۔ تو زونائشہ مسکرا دی۔

"آف۔ کتنے اچھے ہیں آپ بھائی۔ میں ابھی اندر دیکھ کر آئی تھی میری ساری چاکلیٹس ختم ہو گئی تھیں۔ مجھے منگوانی یاد نہیں رہی تھیں۔ بنا کہے میری Wish پوری کرنے کے لیے شکریہ۔"

اس نے شوخ لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کر اس کی گال پر Kiss کی تو وہ مسکرا دیا۔ آسیہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"اچھا چلو اب یہ تماشے ختم کرو۔ اور بھائی کو چائے ڈال کر دو۔ اور دیکھنا نیچے نہ گرے۔ کوئی تو سلیقہ سیکھ لو زونائشہ۔" آسیہ التجائیں انداز میں اسے کہہ رہی تھی۔ تو زونائشہ نے مرتضیٰ کی طرف دیکھا۔ تو وہ زیر لب مسکرایا۔

" زونا نشہ کو رہنے دیں امی۔ میں خود ڈال لیتا ہو چائے۔ تم زونا نشہ یہ کیک پلیٹس میں نکال کر لاؤ۔ جاؤ۔ شاباش۔ "

مرتضیٰ نے پہلے آسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر گھنی آبرو کے نیچے سے جھانکتے پرکشش آنکھوں سے زونا نشہ کو دیکھا۔ تو وہ فوراً مسکراتے ہوئے وہاں سے کیک اٹھاتے ہوئے نکل گئی۔ وہ چائے انڈیلنے لگا تھا۔ تبھی آسیہ بولی تھی۔

" مرتضیٰ بیٹا وہ میں سوچ رہی تھی کہ اب بس تمہاری شادی کر دوں۔ " آسیہ چائے کی گھونٹ بھرتے ہوئے بولی تھیں۔ تو وہ چونکا تھا۔

" کیوں؟ آپ سے گھر کا سکون دیکھا نہیں جا رہا۔ جو میری شادی کروانا چاہتی ہیں۔ " مرتضیٰ زیر لب مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تو آسیہ نے اسے گھورا۔

" پاگل۔ بہو اگر اچھی نصیب کی ہو جائے تو وہ گھر کو خوشیوں کا گہوارہ بنا دیتی ہو۔ " وہ پیار سے بول رہی تھیں۔ تو مسکرا دیا۔ وہ چائے کا آپ لیتے ہوئے کن آنکھیوں سے انہیں دیکھ کر بولا۔

" ہاں۔ مگر اچھی ہو تو۔ " وہ صاف کنی کترا رہا تھا۔ جو آسیہ نے محسوس کر لیا تھا۔

" ہاں۔ تو اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ میں نے ایک اچھی لڑکی دیکھ لی ہے تمہارے لیے۔ بس اب تمہاری بات پکی کر دوں گی اس سے۔ ٹھیک ہے ناں؟ " آسیہ نے آخر پر اس کی رائے مانگی۔ تو وہ ٹھٹھکا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ ابھی صرف بات کر رہی ہیں۔ کچھ زیادہ سیریس نہیں ہے۔

مگر اب اسے سمجھ آرہی تھی۔ کہ اسے عنایہ کے بارے میں ابھی بات کرنی ہوگی۔

"میں بھی آپ سے یہی بات کرنے والا تھا۔ کہ مجھے ایک لڑکی پسند ہے۔ میں اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اٹل انداز میں بولا تھا۔ وہ ایسے ہی اپنی بات ٹھوس لہجے میں اگلے تک پہنچایا کرتا تھا۔ آسیہ تھوڑی تذبذب کا شکار ہوئی۔ انہیں ایسے دیکھ کر وہ کہہ نہ سکتی تھی کہ ان کی طرف رخ کر کے پیار انہیں تسلی دینے کے لیے بولا تھا۔

"اچھا چلیں ٹھیک ہے۔ ہم ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔ میں آپ کی پسند سے مل لوں گا۔ اور آپ میری پسند سے مل لیں۔ اگر آپ کو میری پسند اچھی لگی تو آپ مجھ سے پرامس کریں کہ آپ میرے حق میں ووٹ دیں گیں۔"

اس نے چٹکیوں میں مسئلہ حل کر دیا تھا۔ تو آسیہ نے سر ہلایا۔ اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"اچھا۔ لڑکی کون ہے؟ کیا نام ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ کچھ بتاؤ اس کے بارے میں۔" وہ ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گئی تھیں۔ تو اس نے سر کھجایا۔ اور کن اکھیوں سے انہیں دیکھا۔

"وہ سب میں آپ کو شام تک بتا دوں گا۔ ویسے بھی پہلے آپ کی سلیکٹ کی ہوئی لڑکی سے ملنا ہے۔ تو پہلے وہ کام کر لیں گے۔ اچھا میں آتا ہوں۔"

وہ وہاں سے اٹھتا ہوا اپنے کمرے کی جانب اندر بڑھ گیا تھا۔ آسیہ کو میرال کی شادی میں ہی عنایہ پسند آگئی تھی۔ انہوں نے میرال کی امی سے اس کے خاندان کے بارے میں سب پوچھ لیا تھا۔ اور وہ عنایہ کے لیے ہی مرتضیٰ کا تختہ لے کر جانا چاہتی تھی۔ مگر مرتضیٰ اس بات سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ وہیں بیٹھی رہی تھیں۔ اور تبھی زونائشہ دو پلیٹیں اٹھائے آرہی تھی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھ کر کیک کھانے لگی تھی۔ اور ساتھ آسیہ کو بھی پیش کر رہی تھی۔ جس سے انہوں نے منع کر دیا تھا۔

ہیری کو کسی نے بری طرح پیٹا تھا۔ کہ وہ اسے ایمر جنسی میں رکھنا پڑا۔ اور اسے ہسپتال میں دوسرا دن تھا۔ آئیر لینڈ میں بزنس بہت بڑا شعبہ تھا۔ اور ہیری مشہور بزنس مین کا بیٹا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک دن بعد چھپانے کی بہت کوشش کے باوجود میڈیا پر یہ خبر آگئی تھی۔

اور میڈیا پر آنے کی وجہ سے یہ خبر یونیورسٹی میں جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ مگر کیارا اور اس کے دوست ابھی تک بے خبر تھے۔ زاویار آج یونیورسٹی نہیں آیا تھا۔ تبھی وہاں اس کا ایک کلاس فیلو آیا۔

"کیارا کس کو بھیجا تھا تم نے اپنے حصے کی لڑائی لڑنے۔ کافی طاقت ور انتخاب تھا تمہارا۔" اس نے ہنستے ہوئے کیارا کو کہا۔ جو ایڈن اور ایلا کے ساتھ سیڑھیوں کے کنارے پر کتاب لیے بیٹھی تھی۔ اس نے چونک کر سٹیورڈ کی جانب دیکھا۔

"کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کیا باتیں کر رہے ہو۔ وضاحت کرنا ذرا۔" کیارا نے انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی تھی۔ ایڈن اور ایلا بھی حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔

"کیا مطلب؟ تمہیں کچھ نہیں پتہ اس بارے میں۔ پرسوں رات پارکنگ ایریا میں کسی نے ہیری کو بری طرح پیٹا ہے۔ اس کا چہرہ ہڈی پہننے کی وجہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ دو دن سے ہسپتال ہے۔ میڈیا پر خبر چل رہی تھی۔"

وہ قدرے آہستہ آواز میں اسے بتا رہا تھا۔ کیارا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

"اففف۔ یہ سب کس نے کر دیا۔ کس کی ہمت ہوئی اتنی۔ ویسے جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ اس کے ساتھ ہونا ہی یہ چاہئے تھا۔" کیارا پہلے اچنبھے سے بول رہی تھی۔ اور پھر آخر میں خود سے بڑبڑائی تھی۔ تاکہ سٹیورڈ کو نہ سنے۔

"یہ بات تو ایک طرف ہے۔ اس سے اہم بات یہ بھی ہے کہ جس نے اسے مارا ہے اس نے تمہارا نام لیا ہے کیارا۔ کہ ہیری تمہارا پیچھا چھوڑ دے۔ ورنہ وہ اپنے حال کا ذمہ دار خود ہو گا۔" سٹیورڈ نے ساری بات بتائی تو کیارا کا منہ کھل گیا۔ وہ حیرت میں گھر گئی تھی۔ وہ آنکھیں سکیڑے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ سٹیورڈ تو دانت نکالتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ مگر وہ تینوں خاموش بیٹھے تھے۔

"یہ کیا نئی بات نکل آئی ہے کیارا۔ اب تو تمہارا نام ہر کسی کی زبان پہ ہو گا۔ یہ کیا نیا تماشا ہے اب۔"

تینوں کی خاموشی ایڈن کی آواز سے ٹوٹی تھی۔ ایلا نے ایڈن کی جانب دیکھا تھا۔ تو وہ کندھے اچکا گیا تھا۔

"مگر اس سے اہم بات یہ ہے کہ وہ ہے کون تھا جس نے یہ کام کیا ہے۔ اور پھر تمہارا نام بھی لیا ہے۔ مطلب اس نے تمہارے لیے اسے پیٹا۔ مگر اب یہ ہے کون؟ یہ تو کوئی جانتا نہیں ہے۔ اور اگر اس نے یہ تمہارے لیے کیا بھی ہے تو کس لیے؟ وجہ کیا تھی۔"

ایلا نے ایک سانس میں اتنے سوال کر دیے تھے۔ جس کا جواب ایڈن کے پاس نہیں تھا۔ تو وہ خاموش رہا تھا۔ تبھی اچانک کیارا بولی تھی۔

"زاویار نے کیا ہے یہ سب۔ میں جانتی ہوں اسی نے کیا ہے یہ ہیری کے ساتھ۔ مجھے یقین ہے۔"

کیارا کھوئی کھوئی سے سامنے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ تو ایلا اور ایڈن چونکے تھے۔ وہ اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیا؟ یہ کیسے کہہ سکتی ہو تم؟ کیارا پلیرز ابھی اس کا نام مت لے لینا کسی کے سامنے۔ سب اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائیں گے۔ اور تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اس نے کیا ہے۔ مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔"

ایلا خود ہی سوال کر رہی تھی۔ اور خود ہی جواب دے رہی تھی۔ شاید حیرت بہت زیادہ تھی۔ کیارا نے ایڈن اور ایلا کو پرسوں والی ساری بات بتائی۔ تو ان دونوں کو یقین آیا۔ اور وہ تسلی سے بیٹھے تھے۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر کیارا بولی تھی۔

"زاویار نے اسے پرسوں مجھے پریشان کرتے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے اس نے یہ کیا۔ یار وہ اتنا سنجیدہ ہو کر بھی میرے ساتھ اتنا مخلص ہے۔۔ اور میں صرف ایک شرط کو جیتنے کے لیے اس سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ یہ تو غلط بات ہے۔" کیارا کی بات پر ایڈن اور ایلا نے سر ہلایا تھا۔ وہ سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تو میں سوچ رہی تھی کہ دوستی کرنی ہی ہے تو کیوں نا سچی کر لی جائے۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ ہے ناں۔ چونکہ میں اب کوئی شرط نہیں جیت رہی تو ڈنر میری طرف سے ہو گا۔"

کیارا نے مڑ کر ایڈن اور ایلا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ تو دوپل وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر تینوں کا جاندار قہقہہ ہوا میں گونجا تھا۔ وہ تینوں اٹھ کر کیفے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور کیارا کو دل میں عجیب سے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ زاویار کا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم رہا تھا۔

حویلی کی پچھلی طرف والے خالی جگہ پر آج سب نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ کمفرٹنگ چیزز پر عنایہ ، انزم ، ایرھا ، انعم اور شہزل بیٹھی ہوئی تھیں۔ سامنے گھاس پر پڑے سیمنٹ کے بیچ پر علی ، ایرھا اور حسان بیٹھے تھے۔ چائے بانو نے یہاں لگا دی تھی۔ تو اس لیے شہزل کو یہاں آنا پڑا۔ اس کا دل اداس تھا تو سوچا شاید کمرے سے باہر نکل کر تھوڑا بہل جائے۔ تو اسی لیے وہاں چلی آئی تھی۔ وہ ابھی ابھی آئی تھی تو اس لیے کھڑی تھی۔ انعم کے ہاتھ میں چھوٹا آئینہ تھا جسے وہ پچھلے پانچ منٹ سے دیکھ رہی تھی۔ پھولے گالوں پر گول چشمہ ٹکائے وہ بہت کیوٹ لگتی تھی۔

" بیٹھ جاؤ شہزل۔ ایسے کھڑی رہو گی تو تھک جاؤ گی۔ یہاں اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ "

عنایہ نے اسے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کی پیشکش کی تھی۔ تو وہ چپ چاپ سی بیٹھ گئی تھی۔ تو ایک بار تو سب حیران رہ گئے۔ مگر اسے محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔ کہ کہیں وہ برانہ مان جائے۔

انعم آئینے کو رکھ چکی تھی۔ تبھی عنایہ نے اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ کہ اسی وقت انعم نے دوبارہ جھٹ سے اٹھا کر بالکل چہرے کے سامنے کیا۔ تو عنایہ کو تپ چڑھی تھی۔

"جتنا نزدیک تم شیشے کے ہوئی ہوناں ، خوف سے دل بند ہو جائے گا اس کا۔ تڑا نکال کر رکھ دیا بیچارے کا۔ رکھو اس کو۔" عنایہ نے اسے درشتی سے کہا۔ تو اس نے نیچے رکھ دیا۔ شہزل مسلسل میز کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ جیسے کہیں گہری سوچ میں ہو۔

"شہزل آپ کی کیا ہوا؟ کیا سوچ رہی ہیں۔ خیالوں کی دنیا میں کسے دیکھ رہی ہیں۔؟"

علی شہزل کو ایسے کھوئے ہوئے دیکھ کر شرارت سے بولا تھا۔ تو جہاں شہزل کے کرارے جواب کی توقع تھی وہاں خاموشی برقرار تھی۔ وہ بس مبہم سا مسکرائی تھی۔ تاکہ وہ اس سے مزید سوال نہ کریں۔ اب شہزل میں یہ تبدیلی محسوس کر چکے تھے۔

"اچھا حسان بھائی آپ بتائیں کہ اگر آپ کا محبوب ایسے ہی چلو خیالوں میں ہی صحیح کسی کو دیکھے تو آپ کیا کریں گے۔" علی نے اپنی توپوں کا رخ حسان کی جانب کر دیا تھا۔ تو وہ سیدھا ہوا تھا۔

"ہاں اس چیز کا جواب میں بہت اچھے سے ایک شعر کی صورت میں دے سکتا ہوں۔"

حسان رنجیدہ ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔ جیسے واقعی بہت رنجیدہ ہو۔

"وہ کیا کہتا ہے شاعر کہ :

'وہ میرے علاؤہ کسی اور کو دیکھے

تے ویکھی جاوے اونوں گناہ ملنا ، سانوں کی "

حسان نے پہلا فقرہ اداسی کہا۔ تو دوسرا دانت نکال کر۔ تو وہاں سب ہنسنے لگے تھے۔

"حسان بھائی میں آپ کے دل کے بہت قریب ہوں ناں۔ تو آپ مجھے نیا موبائل لے دیں۔ پلیز۔"

علی بیچارہ سامنے بنا کر بول تھا۔ تو حسان زیر لب مسکرایا تھا۔ چائے کا کپ نیچے رکھا۔ جیسے واقعی موبائل لے دینے کی حامی بھرنے لگا ہو۔

"علی دراصل تم میرے دل میں رہتے تو ہو۔ مگر بالکل ایسے :

تم میرے دل میں ایسے ہو

جیسے گردے میں پتھری۔۔"

سب امید لگائے تھے کہ وہ علی کی بات مان لے گا۔ تبھی اس کی بات سن کر اب کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ وہیں علی کا منہ بن گیا تھا۔ تبھی ایرھا کو چھینکیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اور وہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

"کتنی بار کہا ہے کہ سردی میں تھوڑا اپنا خیال رکھا کرو اب۔۔ مگر نہیں۔ اب دیکھو مجھے لگتا ٹھنڈ لگی ہے تمہیں۔"

حسان نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ تبھی علی کو چٹکلہ چھوڑنی کے لیے کوئی چیونٹی کاٹی تھی۔

"جب کوئی کہتا ہے کہ اپنا خیال رکھا کرو۔

تو دل کرتا ہے خود کو لفافے میں بند کر کے الماری کے اوپر والے خانے میں رکھ

دوں۔"

ایرہا کی ہنسی۔ چھوٹی تھی۔ وہ جب بھی ساتھ بیٹھتے تھے تو ایسے ہی ہنسی کے فوارے چھوٹتے تھے۔
 "میں نے ایرہا کو کہا ہے۔ علی تم نہ کہیں خود کو ایسے سنبھال کر رکھنے کا سوچنا۔ لفافے اور الماری
 دونوں کا کباڑا نکلے گا۔" حسان نے علی کے صحت مند ہونے پر چوٹ کی تھی۔ تو اس کی سوا سب
 ہنسنے لگی تھی۔

"اوہو مجھے تو صبح یونیورسٹی نہیں جانا۔ تو دعا سے کہہ دوں کہ میرا نام لکھوا دے۔ شکر ہے یاد آگیا۔
 ویسے بھی صبح لاسٹ ڈیٹ ہے۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مارتے اٹھی تھی۔ تبھی حسان کی آواز رر کی تھی۔
 "کونسا نام؟ کس چیز کے لیے لکھوانا ہے تم نے نام۔ کوئی کمپیشن ہو رہا ہے کیا؟ جس میں حصہ
 لے رہی ہو۔؟"

حسان نے اسے جلدی میں دیکھ کر پوچھا۔ تو وہ رر کی تھی۔ تو اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔

"ہاں وہ ڈنر کے فنکشن میں Singing کا پارٹ بھی ہوگا۔ تو اس کے لیے نام لکھوانا ہے۔ اچھا
 میں آتی ہوں ابھی،"

وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اندرونی دروازے کو پار کرتے ہوئے وہ وسیع صحن کو عبور
 کر کے اب کھلے برآمدے میں چل رہی تھی۔ عنایہ اور حسان کی امی کو کمرے میں ٹی۔وی رکھنا پسند
 نہیں تھا۔ تو ان کے لیے ان کے کمرے کے تھوڑی ایک طرف کر کے برآمدے کے پلرز کے بالکل
 مخالف سمت میں اوپر سٹینڈ پر L.E.D لگی ہو یہ تھی۔ جس کے سامنے صوفہ اور کرسیاں اور میز پڑا
 تھا۔

بے مقصد L.E.D آن تھی۔ اور اس میں بولنے والی عورت کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ مگر ابھی اسے اس سے غرض نہیں تھی۔ سوچا پہلے دعا سے بات کر لے۔ اسے کہہ دے کہ وہ کل اس کا نام لکھوا دے۔ وہ کوئی اچھا سا گانا تیار کر لے گی۔ تو پھر آکر اسے بند کر دے گی۔ وہ ابھی وہاں پڑی کرسیوں سے تھوڑی پیچھے تھی۔ وہ تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"جی بلکل آواز کے بارے میں یہ آتا ہے کہ۔ میں آپ کو اس حدیث کا مفہوم سمجھا دیتی ہوں۔ کہ ایک صحابی سے روایت ہے کہ وہ نبی پاک کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا یہ جو گھر میں مل کر عورتیں کوئی اچھی محفل سجاتی ہیں۔ مل کر جیسے ہم میلاد کرواتے ہیں۔ وہ ٹھیک ہے۔ کوئی حرج تو نہیں اس میں؟"

عناہ اب سامنے چلتی سکرین کے پاس سے گزر رہی تھی۔ دھیان نہ دیتے ہوئے بھی آواز اونچی ہونے کی وجہ سے اس کے کانوں میں صاف پڑ رہی تھی۔

"تو نبی پاک نے فرمایا۔ کہ اگر ان کی آواز گھر سے باہر نہیں جا رہی تو کوئی مسئلہ نہیں۔ اب غور کیجئے گا۔ کہ لیکن اگر ان کی آواز باہر کسی غیر مرد کو سنائی دے رہی ہے تو یہ ثواب کی بجائے الٹا گناہ کا کام ہو گا۔ یہ غلط کام ہو گا۔"

تیزی سے گزرتی عناہ کے کانوں میں پڑتی آواز سے وہ ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ اس کے قدم جم گئے تھے۔ وہ عورت بہت کچھ بول رہی تھی۔ مگر اسے سنائی نہیں دے تھا۔ وہ آخری بات پر اٹک کر رہ گئی تھی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ کہ کیا واقعی اس نے یہ سب سنا ہے۔ اس نے اپنے پاؤں گھسیٹتے ہوئے واپس سکرین کی جانب مڑی۔ تو دیکھا کہ کوئی دینی چینل لگا ہوا تھا۔ اور سامنے

وبائے اور نکاب کیے عورت ہاتھ میں پکڑی کتاب سے دیکھ کر یہ اب بول رہی تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تو آمنہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ کسی عورت کا غیر محرم کے سامنے گانا بجانا سے بہت ہی آگے کی بات ہے۔ اس کے سامنے تو نعت پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ یہ آتا ہے آواز کے پردے کے متعلق۔ اور مجھے لگتا ہے کہ ہر کسی کو اس کی باریکی پر ضرور غور کرنا چاہیے۔"

وہ بول رہی تھی۔ اور عنایہ کو لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی خواب ہو۔ مگر نہیں یہ حقیقت تھی۔ اور اپنے بہترین دوست سے دوستی رکھنے کے لیے اسے اس کو قبول کرنا تھا۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔ گلے میں گلی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ اس نے تھکے ہوئے انداز میں کندھے ہلکے سے ڈھلکا دیے تھے۔ اور اپنے پیروں کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

عنایہ اب چھوٹا پاکٹ سائز ترجمے والا قرآن عام طور پر اپنے پاس رکھتی تھی۔ اور وہ اکثر اوقات با وضو رہتی تھی۔ تاکہ کبھی بھی اس کا دل کرے، یا سے ضرورت ہو تو وہ قرآن کھول کر پڑھ لے۔ اسے زیادہ اہتمام نہ کرنا پڑے۔

"نہیں یہ سب میرے ہی لیے ہو یہ ضروری تو نہیں۔ ہو سکتا ہے میں ٹھیک سمجھ نہ پارہی ہوں۔ شاید اللہ مجھ سے کچھ اور کہنا چاہتے ہوں۔ ہاں میں قرآن پاک میں دیکھوں گی۔"

وہ اتنی آسان بات خود کو شاید نہ سمجھ آنے کی امید پر اپنے کمرے کی طرف لپکی تھی۔ وہ چھوٹا قرآن Study Table پر سامنے پڑا نظر آیا۔ تو وہ اس کی طرف بڑھی تھی۔ وہ پاکٹ کے سائز جتنا سرمئی کور والا چھوٹا قرآن۔ پاک تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ چند لمحے دیکھتی رہی۔

پھر ہمت کر کے درمیان سے اپنی مرضی سے کھول لیا۔ اس نے پڑھے بغیر کچھ صفحے کیا۔ پھر اور آگے کرنے لگی تھی کہ ایک آیت پر نگاہ پھسلی تھی۔ وہ اسے پڑھنے لگی تھی۔

" اے بنی کی بی بیو، تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے۔ ہاں اچھی بات کہو۔"

وہ سورت احزاب آیت نمبر 32 تھی۔ وہ دوبارہ اسے پڑھ رہی تھی۔ وہ یقین کرنا چاہ رہی تھی۔ دوبارہ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر صفحے پر رکھی ہتھیلی پر گرا تھا۔

"مطلب کہ بات سیدھی سی ہے کہ کوئی بھی ایسی آواز غیر محرم کو سنانا جو اس کو لبھا سکتی ہو۔ وہ جائز نہیں۔ پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے گانا گاؤ یا نعت پڑھو۔ بات تو ایک برابر ہے۔ یہاں تو بات کرتے وقت اس میں بھی نرمی لانے سے منع کیا گیا ہے تو یہ تو پھر اپنی آواز کی خوبصورتی دکھانے کے مترادف ہے۔"

وہ سوچ رہی تھی۔ اس نے ضبط سے آنکھیں میچیں۔ اس نے قرآن بند کر دیا۔ اور کچھ پڑھنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ وہ جو کرنے جا رہی تھی۔ وہ اسے نہیں کرنا تھا۔ اب بس اسے ماننا تھا۔ سننے والوں اور اطاعت کرنے والوں کی طرح۔ اور یہ کتاب اسے ہی تو ہدایت بخشی تھی جو سننے اور اطاعت بجالانے کا وعدہ کرتا تھا۔ اس نے قرآن پاک رکھا۔ اور فون اٹھاتے باہر آ گئی۔ مزاج کی ساری شوخی غائب دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سانس کھینچتے دعا کا نمبر ڈائل کیا۔ اسی وقت دعا کی آواز سنائی دی تھی۔

"ہاں وہ کل میں یونیورسٹی نہیں آ رہی۔ کچھ کام ہے گھر پر۔ تو وہ میں کہہ رہی تھی کہ "

"تم کہنا چاہتی ہو کہ تمہارا نام میں لکھوا دوں۔ تم بے فکر رہو میں لکھوا دوں گی کل جا کر۔ اور کچھ

"؟

دعا نے اندازے سے عنایہ کی بات کاٹ کر اس کی بات پوری کی تھی۔ تو عنایہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"یہی تو بتا رہی ہوں دعا، کہ نہیں لکھوانا میں نے نام۔ تم نہیں لکھواو گی۔ سمجھ گئی ہوناں۔؟"

کیوں؟ کیا ہوا عنایہ۔ ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟ بتاؤ مجھے " دعا اس سے فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں تم چھوڑو ان باتوں کو۔ بس یہ سمجھ کو کہ مجھے Allow نہیں ہے۔" عنایہ نے بات ختم کرنا چاہی۔ مگر دعا اسی بات کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"کس نے منع کیا ہے۔ تمہارے ابو نے؟"

"نہیں۔"

"پھر تایا ابو نے منع کیا ہو گا۔" دعا اندازے لگا رہی تھی۔ جو ٹھیک نہیں ثابت ہو رہے تھے

"نہیں۔" مختصر جواب آیا تھا۔

"تو پھر کیا مسئلہ ہے۔ پھر کس نے منع کیا ہے؟" دعا جھنجھلائی ہوئی بول رہی تھی۔ اسے عنایہ کہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"میرے بہترین دوست نے۔ اس کی بات کیسے ٹال سکتی ہوں میں دعا۔ اس لیے تم میری بات مانو گی۔ اچھا میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔"

دعا، عنایہ کی بات سمجھ گئی تھی۔ تو وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اس نے کال کاٹ دی تھی۔ عنایہ خود کو نارمل کرنے لگی تھی۔ سامنے پڑا Lays اٹھا کر کھانے لگی تھی۔ اس نے نوٹس نکالنے کے لیے بیگ دیکھا۔ مگر اسے وہ بیگ میں کہیں دکھائی نہیں دیے۔ تو وہ تھوڑی حیران ہوئی۔ اس نے کمرے میں ساری طرف دیکھ لیے۔ مگر اسے نوٹس نہیں ملے تھے۔ اسے کوفت ہونے لگی تھی۔ کہ اچانک ذہن میں آیا۔

"آف، یہ حسان ہی پریشان کرنے کو میرے نوٹس چھپا دیتا ہے۔ اسی کے کمرے میں دیکھتی ہوں۔"

وہ سوچتے ہوئے حسان کے کمرے میں پہنچی تھی۔ سائیڈ والے دراز، ڈریسنگ ٹیبل کے دراز شیف اور ہر جگہ اس نے دیکھ لیا۔ مگر نہیں ملے۔ اس نے کوفت سے سانس خارج کی۔

حسان اکثر اسے تنگ کرنے کے لیے اس کے نوٹس اپنے کمرے میں چھپا دیتا تھا۔ مگر وہ سامنے ہی ہوتے تھے۔ عنایہ کو مل جاتے تھے۔ مگر آج نہیں مل رہے تھے۔ سامنے الماری کھول کر وہ اوپر نیچے دیکھنے لگی۔ نوٹس تو کہیں نہیں ملے تھے۔ وہ بند کرنے لگی تھی کہ اس کی نظر ڈائری پر پڑی تھی۔ اس نے اسے اٹھایا۔ کھول کر صفحے پلٹے۔ اور ایک صفحے پر رک کر لکھا ایک شعر پڑھنے لگی تھی۔

اٹھاتے ہو سر محفل فلک تک تم ہمیں مگر

اٹھا کر جو گراتے ہو یہ تم اچھا نہیں کرتے

اس نے شعر پڑھا اور بند کرنے لگی تھی کہ اسے کچھ ٹھوس چیز محسوس ہوئی۔ اس نے صفحہ پلٹا تو سامنے ایک تصویر پڑی تھی۔ اس کی الٹی طرف اوپر تھی۔ پہلے وہ رکھنے لگی مگر پھر شرارت سو جھی تو مسکرا کر تصویر کو پلٹا تھا۔ تو تصویر دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ اس کی سیاہ بڑی خوبصورت آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ لب وا ہوئے تھے۔ وہاں سامنے شہزل کی تصویر عنایہ کے ہاتھوں میں تھی۔ جس کے یہاں ہونے کا مقصد عنایہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

تبھی حسان اپنی مستی میں اندر داخل ہوا تھا۔ سامنے عنایہ کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ میں ڈائری اور تصویر دیکھ کر اس کی ہنسی کو بریک لگی تھی۔ وہ رک گیا تھا۔ تبھی عنایہ نے چہرہ اٹھا کر اس کی جانب اچنبھے سے دیکھا تھا۔ وہ نظریں جھکا گیا تھا۔ تو عنایہ قدم، قدم چلتے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں بھئی۔ کیا ہے یہ؟ یہ شہزل یہاں کیا کر رہی ہے؟"

عنایہ نے کڑے تیوروں سے پوچھا تھا۔ تو حسان گڑبڑا گیا تھا۔ اس نے تھوک نگلا۔

"اس کی تصویر ہے۔ اسے اتنی بڑی کو کہاں فٹ کروں گا ڈائری میں۔"

وہ سر جھکاتے ہوئے بول رہا تھا۔ اور ساتھ کن اکھیوں سے عنایہ کو دیکھ رہا تھا۔

"زیادہ ڈرامے بازی نہ کرو۔ اور سیدھے سے جواب دو میری بات کا۔"

عنایہ نے قدرے درشتی سے دوبارہ پوچھا۔ تو حسان نے اسے ساری بات بتا دی۔ اور وہ حیرانی سے ساری بات سنتی رہی۔

دو دن سے زاویار یونیورسٹی نہیں گیا تھا۔ ہیری اپنے گھر شفٹ ہو گیا تھا۔ مگر ابھی یونیورسٹی آنے میں اسے کچھ دن لگنے تھے۔ تقریباً یہ معاملہ سیٹل ہو گیا تھا۔ اب کوئی اس بارے میں اتنی بات نہیں کرتا تھا۔ ہاں لیکن کیارا کو اب سکون تھا کہ اب ہیری اسے پریشان نہیں کرے گا۔ آج بھی نیند دیر سے ہی مہربان ہوئی تھی اس پر۔ ایسا نہیں تھا کہ ہمیشہ سے اسے یہ مسئلہ تھا۔ بس اب نیند کم آتی تھی۔

وہ بیڈ پر سیدھی سمت میں نہیں لیٹا ہوا تھا۔ وہ ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ جیسے تھک کر گر گیا ہو۔ اور وہیں بے خبر ہو گیا ہو۔ اس کی صرف ٹانگوں پر کمبل اچھے سے لپٹا ہوا تھا۔ آف شولڈر سویٹر کی وجہ سے پچھلی بار کے لگے کانچ کے زخم کا نشان واضح تھا۔ اس کے بازو دیکھ کر اس کی فٹنس کا خوب اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اسے بند آنکھوں سے نظر آیا۔ جہاں سے پچھلا خواب ٹوٹا تھا۔ وہیں سے آج اسے نئی اذیت مل رہی تھی۔

وہ چھوٹا معصوم صورت پر، پرکشش نقوش لیے سامنے پڑی عورت کے منہ سے سفید کپڑا ہٹا چکا تھا۔ اور زور زور سے رونے میں مصروف تھا۔ وہ اپنی ماں سے ایسے لپٹا ہوا تھا۔ جیسے وہ زندہ ہو۔ اور

کہ تبھی آوازیں آنے لگی تھیں۔ کہ بچے کو ہٹاؤ۔ جنازے کا وقت ہو گیا ہے۔ اور اسے لگا اس کی جان نکالنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس نے اور اچھے سے اپنی ماں کے گرد اپنے بازو جما لیے تھے۔ تبھی اچانک اسے کسی نے ہلکے ہاتھوں سے پیچھے کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ خود کو چھڑوا چکا تھا۔

زاویار کے چہرے پر پسینے کی ننھی بوندیں واضح تھیں۔ اس قدر ٹھنڈ میں بھی اس کی گھٹن نے اس کا یہ حال کر دیا تھا۔ وہ ہولے ہولے سر ہلا رہا تھا۔

کہ اچانک اس وحشت زدہ ماحول میں اسے وہ خوبصورت لڑکی اپنی مستی میں مسکراتے ہوئے گھومتے دکھائی دی۔ اسی سبز گھاس پر وہی ننگے پیروں گھومتی خوبصورت لڑکی۔۔۔

اور پھر سب لوگ مل کر میت کو اٹھا کر لے جانے لگے۔ اور اس نے اپنا پورا زور لگا کر خود کو چھڑوایا۔ اور ایک جھٹکے سے آزاد ہونے پر وہ اوندھے منہ فرش پر گرا تھا۔ اور اس کے ہونٹ کے کنارے اور ناک سے خون بہنے لگا تھا۔ اسے ایسے دیکھ کر دکھ سے بے حال ہوتی اس کی خالہ تڑپی تھی۔

شدت اتنی زیادہ تھی کہ اسے اپنی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ اور وہ ویسے ہی ننگے پاؤں اندرونی دروازے کی چھوٹی سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے لان میں ان کے پیچھے بھاگا تھا۔۔۔۔۔زاویار کو پھر وہ لڑکی ایک ادا سے مسکراتے ہوئے دکھائی دی۔ وہ کھکھلا رہی تھی۔ مگر زاویار کو اس کی ہنسی کی آواز کسی ماتم سی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے وہ ماتم کرنے کو بہت کچھ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

اسے پھر وہ بچہ نظر آیا۔ وہ بھاگتے ہوئے نڈھال ہو رہا تھا۔ اس کی خالہ اسے سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ اس کے قابو سے باہر تھا۔ وہ بھاگتا ہوا گیٹ تک پہنچا تبھی وہاں کھڑے آدمی نے ایک جھٹکے سے دھاڑ کی آواز سے دروازے بند کر دیا تھا۔ اور وہ وہیں رہ گیا تھا۔ زاویار کے کانوں میں دروازے کے آواز کسی ہتھوڑے سے گونج رہی تھی۔ اور کبھی وہ اس کی ہنسی سنتا تھا۔ تو کبھی اس کے رونے کی آواز اس کے کانوں میں پڑتی تھی۔

وہ ایک جھٹکے سے بلا اختیار کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے " امی " چلا کر اٹھا تھا۔

وہ پسینے میں شرابور نظر آتا تھا۔ پرانا زخم اس کے کثرتی بازو پر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جسے وہ پچھلا سب بھلانے کو ہر بار نظر انداز کرتا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ گہرے سانس لیتے ہوئے اسے سانس لینے میں بہت دقت ہو رہی تھی۔ وہ سامنے سے آئینہ پہلے ہی ہٹا چکا تھا۔ مگر دائیں جانب شیشے کی کھڑکی میں اپنی گہری پرکشش آنکھوں پر تنے ابرو سے گھورتے ہوئے اپنا عکس دکھائی دیا تھا۔ یہ تکلیف تو اب ہر دوسری رات کی بات ہو گئی تھی۔ مگر ہر بار وہ خود کو پہلی سی اذیت میں محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ نازنین ٹھیک کہتی تھی کہ درد خود کو عادت نہیں بنے دیتا۔ وہ جب بھی ہو پہلی سی اذیت سے نوازتا ہے۔

وہ خود کو نارمل کرتے ہوئے ہر بار کی طرح اکیلا ہی خود کو سنبھال رہا تھا۔ جسے کچھ وقت ہی کسی کے ساتھ رہ کر بری طرح اس کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ آج اسے بھی اکیلے کیے ہوئے تھا۔ اور خود بھی تنہا تھا۔ مگر زاویار تو خود کو سنبھال لیتا تھا۔ جسے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ نا جانے وہ کیسے خود کو سنبھال پاتی ہوگی۔ یہی بات اسے سب سے زیادہ تکلیف دیتی تھی

وہ چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا موبائل ہاتھ میں تھامے لاؤنچ میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ لاؤنچ میں نیم اندھیرا تھا۔ اس نے وہی پہلے والا نمبر سکرین پر نکالا۔ اور کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ڈائل کر دیا۔ اسی وقت دوسری طرف سے آواز ابھری تھی۔

" کیسے ہو۔ میری جان میری بات سنو۔ ہوا کیا ہے؟ اس طرح سب چھوڑ چھاڑ کر تم کہاں چلے گئے ہو؟ میں کس کس کو تمہاری اس حرکت کا جواب دوں۔ ماں کا کچھ تو خیال کرو۔ " وہ عورت روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور زاویار کا دل پسین رہا تھا۔ وہ خاموش رہا تھا۔

" بولو بھی بیٹا۔ کچھ تو جواب دو مجھے۔ اور جو تمہارے نام پہ بیٹھی ہے۔ اس کا خیال نہیں ہے تمہیں۔ "

زاویار کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ وہ کتنی آسانی سے کہہ رہی تھیں کہ اسے اس کا خیال نہیں ہے۔ وہ کاش بتا سکتا کہ اس سے زیادہ اسے کس کا خیال ہو سکتا ہے۔ کہ وہ یہ سب اسی کے لیے جھیل رہا ہے۔ کہیں وہ اپنی ہی نظروں میں نہ گر جائے اس سے اسے بجانے کے لیے وہ نظریں پھیر کر یہاں بیٹھا تھا۔ کاش وہ اپنی اذیت بھی بتا سکتا جسے وہ اپنی سنجیدگی کے پیچھے چھپا کر رکھتا تھا۔ مگر وہ نہیں بتا سکتا تھا۔

" وہ جو آپ کی پریشانی کی وجہ ہے ، اسے کہیں کہ وہ اپنے گھر واپس چلی جائے۔ کوئی رشتہ نہیں ہے میرا اس سے۔ جو رشتہ میرا اس سے بن سکتا ہے۔ میں اسے بھی نہیں مانتا۔ اسے کہیں وہ چلی جائے۔ "

زاویار نے آخری جملے کمال ضبط سے ادا کیے تھے۔ اس نے کال کاٹ دی۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ پاکستان کا وقت آئرلینڈ سے چار گھنٹے آگے ہوتا ہے۔۔ تو اس لیے یہ سوچ کر کہ وہاں نو بج رہے ہوں گے زاویار نے کال کی تھی۔ وہ اٹھ کر اندر کی جانب بڑھا تھا۔ پہلے سوچا اٹھ ہی گیا ہے تو نماز پڑھ لے۔ مگر پھر کوفت ہوئی تو وہ ٹریک سوٹ۔ پہنے لمبی لین میں جو گنگ کے لیے نکل گیا تھا۔ جہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ اور اسے اپنے سانس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

آج نوشابہ اور زریاب کے نکاح کو چھ ماہ ہو چکے تھے۔ وہ دونوں ہی جاب کر رہے تھے۔ وہ ابھی بھی زریاب کے دوست کے فلیٹ پر رہ رہے تھے۔ کیونکہ ابھی انہیں رہنے کے لیے کوئی اور اچھا، مناسب کرائے پر گھر نہیں ملا تھا۔ اور نوشابہ جس گھر میں پہلے رہتی تھی اس کے مالک نے بھی وہ خالی کروا لیا تھا۔

زریاب کا وہ دوست قریب کے ہی ایک سرکاری ہسپتال میں میل نرس تھا۔ نوشابہ نے ایک چھٹی کی تھی۔ اس لیے وہ پہلے سے گھر موجود تھی۔ وہ باورچی خانے میں کھڑی سالن بنا رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ چپاتیاں بھی ڈال رہی تھی۔

سات بجے بیل بجی۔ تو اسے معلوم تھا کہ زریاب ہی ہو گا۔ اس لیے اس نے بغیر پوچھے دروازے کھول دیا۔ تو سامنے زریاب کھڑا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹی۔ تو وہ اندر آ گیا۔ نوشابہ نے دروازے لگایا۔ اور جلدی سے اسے پانی لا کر دیا۔ وہ سامنے لاؤنچ میں ہی بیٹھ گیا تھا۔ اور اسی کے سامنے کھلا کچن تھا۔ جس میں وہ دوبارہ جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے واہ، آج تو کھانے کی بہت اچھی خوشبو آرہی ہے۔ چلو اب جلدی سے کھانا لے آؤ۔"

زریاب جوتے اتارتے ہوئے خوش مزاجی سے کہہ رہا تھا۔ تو نوشابہ کو اپنی بات اس کے سامنے رکھنے کا تھوڑا حوصلہ ہوا۔

وہ سالن کا شوربہ اور گرم چپاتی لے آئی تھی۔ ان دونوں کے ہی آفس ہونے کی وجہ وہ اکثر کھانا باہر سے کھاتے تھے۔ اس لیے آج گھر کے کھانے پر زریاب اچھا محسوس کر رہا تھا۔

وہ ہاتھ، منہ دھو آیا تھا۔ اور کھانا، کھانے لگا تھا۔ تو تھوڑی دیر بعد نوشابہ بولی تھی۔

"زریاب"۔ نوشابہ نے اسے پکارا تھا۔ زریاب نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہنوز کھانے میں مصروف تھا۔

"ہوں۔ بولو۔" نہایت مختصر جواب آیا تھا۔

"زریاب میں کہہ رہی تھی کہ ہماری شادی کو تقریباً پانچ ماہ ہونے والے ہیں۔ تو۔۔۔"

وہ ابھی اپنی بات پوری نہیں کر پائی تھی کہ دستک ہوئی تھی۔ تو وہ رکی تھی۔ اور زریاب نے سر اوپر اٹھایا تھا۔

"تم رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ یہ اٹھالو۔"

زریاب اسے برتن اٹھانے کا کہہ کر دروازے کھولنے گیا۔ تو وہ برتن اٹھائے کچن کی جانب بڑھ گئی

تھی۔ زریاب نے دروازے کھولا تو سامنے زریاب کا دوست احمد تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

تو وہ مسکراتے ہوئے اندر کی جانب بڑھا تھا۔ نوشتابہ نے سامنے آ کر سلام کیا۔ اور پھر کمرے میں چلی گئی۔ اور وہ دونوں لاؤنچ میں ہی بیٹھ گئے تھے۔

"کیا حال ہے؟ آفس اور گھر کیسا جا رہا۔ پیچھے تیرے گھر میں سب کیسے ہیں؟" وہ خوش مزاجی سے سب کا احوال پوچھ رہا تھا۔

"سب ٹھیک الحمد للہ۔ آج نہیں گیا گھر۔ ورنہ تقریباً روز ہی جاتا ہوں۔ وہاں بھی سب ٹھیک ہیں۔ تم سناؤ۔ رکو میں کھانا منگواتا ہوں۔"

"نہیں یار میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ وہ تو بس یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا مل لیا جائے۔ ویسے بھی کافی دن سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں بس دو منٹ میں نکل رہا ہوں۔ بھابھی خوش ہیں ناں؟"

"ہاں میرے خیال میں تو وہ خوش ہے۔ باقی آج پتہ کر کے تجھے کنفرم بتاؤں گا۔"

زریاب کی بات پر دونوں کا قہقہہ گونجا تھا۔ اور ساتھ ہی احمد اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اچھا یار اب میں چلتا ہوں۔ اپنا اور بھابھی کا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔"

وہ کہتا ہوا زریاب سے ملتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ ور زریاب دروازہ لگاتا ہوا کمرے میں آیا۔ تو سامنے نوشتابہ قدرے سنجیدہ بیٹھی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اور اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟ پریشان لگ رہی ہو۔ اچھا چلو بتاؤ کیوں پریشان ہو۔؟ زریاب نے قدرے نرمی سے

پوچھا تھا۔ تو نوشتابہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"زریاب میں کہہ رہی تھی کہ ہمیں شادی کو چھپائے پانچ ماہ ہونے والے ہیں۔ میرے خیال میں اب ہمیں اپنی شادی کو ایکسپوز کر دینا چاہئے۔ ہمیں تمہارے ابو کو اپنی شادی کے بارے میں اب بتا دینا چاہیے۔"

نوشابہ نے شائستگی سے اس تک اپنی بات پہنچائی۔ تو اس نے سر جھکایا۔ تو نوشابہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ان کی شادی کو پانچ ماہ ہو چکے تھے۔ اور نوشابہ چار ماہ کی حاملہ تھی۔

"میں خود یہی سوچ رہا تھا کہ اب گھر والوں کو بتا دینا چاہیے۔ مگر مجھے ابو کا رد عمل کا سوچ کر ہی خوف آنے لگتا ہے۔"

"ہاں۔ مگر انہیں کبھی نا کبھی تو بتانا ہی ہو گا زریاب۔ تو اچھا ہے نا انہیں ابھی بتا دیں۔ تاکہ انہیں زیادہ برا نہ لگے۔"

نوشابہ اس کا ہاتھ تھامے نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ تو زریاب نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ اچھا تم پریشان نہ ہو۔ میں بہت جلد تمہیں گاؤں لے کر جاؤں گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو کھانا کھا لو۔"

زریاب نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ تو وہ اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔ اور وہ کہیں سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

آج صبح سے آسمان بادلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ صبح کے وقت بادلوں کے ساتھ ہر طرف دھند کا بھی راج تھا۔ لیکن ہلکی چلنے والی ہوا کی وجہ سے دھند چھٹ گئی تھی۔ اور اب کم از کم ہر شے واضح دکھ رہی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد تقریباً گھر کے سب بڑے ٹھنڈ کی وجہ سے کمروں میں بند ہو گئے تھے۔ مگر شہزل کے علاوہ باقی کوئی اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ صحن میں کھلی چھت نیچے عنایہ کھڑی کرسیوں کو بیٹھنے کے لیے ترتیب دے رہی تھی۔ جمعہ ہونے کی وجہ سے چھٹی جلدی ہو گئی تھی۔ اس لیے سب گھر ہی تھے۔

سامنے انزم، ایرھا اور علی برآمدے کے ستون کے ساتھ کھڑے عنایہ کو کرسیاں ترتیب دیتے دیکھ رہے تھے۔ اور سب نے چادر سے ناک تک آدھا منہ ڈھانپا ہوا تھا۔ اور وہ حیرت سے آنکھیں پھیلانے عنایہ کو دیکھ رہے تھے۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ تبھی انعم چادر لیے، گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹے وہاں آئی تھی۔ اور عنایہ کو صحن میں بیٹھنے کا انتظام کرتے دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھیلانی تھیں۔ اور تیز قدم اٹھاتے ہوئے عنایہ کے پاس گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ۔ دماغی توازن ٹھیک ہے آپ کا؟ ایک تو آپ کو کمرے میں بیٹھنے سے الجھن ہو رہی ہے۔ تو چلو ٹھیک ہے باہر بیٹھ جاتے ہیں۔ مگر یہ برآمدہ کیوں دکھائی نہیں دے رہا آپ کو۔ یہاں کھلی جگہ بٹھا کر کیوں سردی سے مارنا چاہتی ہیں آپ۔" انعم نے بیچارگی سے کہا۔ وہ نہا کر آئی تھی تو اسے زیادہ ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ پہلے انعم کی بات پر عنایہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ پھر اس کی التجا پر اندر کی طرف بڑھی۔ تو انعم نے سکھ کا سانس لیا۔

ستون کے ساتھ کھڑے وہ تین بھی فوراً صوفے پر جا کر بیٹھ گئے تھے۔ انعم آ کر ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ سارے برآمدے میں مٹھلیں پردے لگے ہوئے تھے۔ عنایہ انہیں کھولتے ہوئے چھوٹے صوفے پر ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ سامنے شیشے کے میز پر مالٹوں سے بھری ٹوکری پڑی تھی۔

عنایہ مالٹا اٹھا کر ہاتھ واپس کھینچنے ہی لگی تھی کہ اچانک پردے سے جھانکتے ہوئے حسان نے بلند آواز میں 'رکو' کہا۔ تو اچانک اتنی اونچی آواز پر عنایہ ٹھٹھکی تھی۔ اور اس کے ہاتھ سے مالٹا پھسل کر نیچے گر گیا۔ تو اس نے غصے سے حسان کو دیکھا۔

"وہ میں کہہ رہا تھا کہ رک جاؤ۔ مجھے بھی بیٹھنے کی جگہ دو۔ میرے بغیر اکیلے اکیلے محفلیں جما لیتے ہو۔ شرم نہیں آتی۔"

اس نے باتیں سننے سے بچنے کے لیے جلدی سے بات بنائی تھی۔ اور علی کے انعم کے ساتھ پڑی کرسی کو تھوڑا آگے کرتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔ تو عنایہ نے سر ہلاتے ہوئے مالٹا اٹھانے لگی تھی۔ عنایہ نیوی بلیو رنگ کے گرم جوڑے میں ملبوس تھی۔ ساتھ ہم رنگ بڑے سے دوپٹے کا حجاب بنایا ہوا تھا۔ اور اسی کو آگے، پیچھے اچھے سے پھیلایا ہوا تھا۔ حجاب میں لپٹے شفاف، سپید چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ سیاہ بڑی آنکھیں کانچ سی شفاف تھیں۔ جس سے جسے وہ چاہتی اسے ادائیں دکھانا آتی تھیں۔

حسان نے ساتھ بیٹھی انعم کو دیکھا۔ جس کے بال گیلے تھے۔ اور اس کے ہونٹ سردی سے تھوڑے کپکپا رہے تھے۔ تو وہ فوراً بولا تھا۔

" آج کچھ شرمائے سے لگتے ہو، سردی کی وجہ سے کپکپائے سے لگتے ہو۔"

چہرہ آپ کا کھکھلایا سا لگتا ہے، ہفتے بعد نہائے سے لگتے ہو۔"

حسان نے انعم کی طرف دیکھ کر بولا تھا تو اس کے علاوہ باقی سب کے دانت نکلے تھے۔ اس نے احتجاجی انداز سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ جو خود بھی ہنس رہا تھا۔

"کیا ہے حسان بھائی؟ آپ کو بس میں ہی ملتی ہوں۔ یہ آپ کے سامنے یہ لوگ بھی بیٹھے ہیں۔ ان پر بھی کبھی تبصرہ فرمایا کریں۔ اتنی سی تمنا ہے۔ اور چاہتی ہی کیا ہوں میں۔"

اس نے التجائی انداز میں کہا۔ تو سب اس کی بیچارگی پر افسوس کی اداکاری کرنے لگے تھے۔ علی کو اس کی چاہنے والی بات پر بات مارنے کا موقع مل گیا تھا۔

"ایک عورت کی چاہت کی تو بات ہی نہ کریں آپ انعم بی بی۔ کیونکہ وہ کیا کہنا ہے کسی کا:

'میں نے گوگل پر سرچ کیا آج کی عورت کیا چاہتی ہے'

آج ساتواں دن ہے گوگل خاموش ہونے کا نام نہیں لے رہا۔"

انعم بی بی آپ کی تمنائیں اور چاہتیں بھی کچھ ایسی ہی ہوں گی۔ ہے ناں۔؟"

علی نے دانت نکوس کر انعم کو ٹونٹ مارا تھا۔ تو انعم علی کی بات پر خود بھی ہنسی تھی۔ اور باقی سب کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"حسان بھائی وہ جو چار گھر چھوڑ کر شبانہ آنٹی کی بیٹی زکیہ ہے ناں۔"

علی نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ حسان نے اسے گھورا تھا۔ کہ ایسے کسی کے بارے میں بات نہ کرے۔

"ارے بھائی میرا کچھ نہیں چل رہا ان کے ساتھ۔ پوری بات تو سن لیں۔۔ کل ہم وہاں سے گزر رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ وہ آپ کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ میں تو کہہ رہا ہوں بات کر کے دیکھ لیں آپ اس سے۔ ہو سکتا کوئی بات بن ہی جائے۔" علی نے اپنی طرف سے بڑا مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔ جسے سب بڑے غور سے سن رہے تھے۔ جیسے کوئی راز کی بات پتہ لگی ہو۔

"ہائے یہ قسمت ہمارے نصیبوں میں ایسا سکھ کہاں؟ ہم پہ تو بس یہی بات پوری ہوتی کہ :

اس سے زیادہ ذلالت کیا ہوگی وصی

وہ بہت ہنسی، مگر پھر بھی نہ پھنسی۔۔"

حسان بیچارگی کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تبھی اس کی بات پر شہزل والی بات یاد آنے پر عنایہ کو مصنوعی کھانسی شروع ہو گئی تھی۔ تو حسان نے اسے آنکھوں سے چپ رہنے کی التجا کی۔ تو وہ مسکراتے ہوئے خاموش ہو گئی تھی۔

تبھی عائشہ بانو کا ہاتھ بٹانے کے لیے وہاں سے گزرتی ہوئی کچن کی جانب جا رہی تھیں کہ انعم بول پڑی۔

"امی آج کیا بنا ہے؟ انعم کی بات سن کر عائشہ رکی تھی۔

"شالجم گوشت۔" انہوں نے خضر جواب دیا تھا۔

"امی نہیں، شلجم نہیں پلیز۔ میں نہیں کھاؤں گی۔ آپ بانو سے کہیں میرے لیے کچھ اور بنا دے۔"

"

انعم کو شلجم کچھ خاص پسند نہیں تھے۔ اس لیے اس نے دہائی دی تھی۔ تو عائشہ تیوری چڑھائے اس کی طرف آئی تھی۔

"انعم اگر تم نے شلجم نہ کھائے تو مجھے 'امی' مت بلانا۔ سمجھی۔"

"ٹھیک ہے بہن، نہیں بلاؤں گی آپ کو 'امی'۔ پر شلجم نہیں کھاؤں گی۔" انعم نے بھی ڈھٹائی سے جواب دیا تھا۔ جس پر وہ کڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھیں۔

تبھی وہاں سے اٹھتے ہوئے عنایہ نے حسان کو آواز دی تھی۔ تو وہ اٹھ کر اس کے پاس آیا تھا۔

"ہاں کیا ہوا؟ کیوں بلایا ہے۔ بولو اب۔ اچھا خاصا بیٹھا ہوا تھا میں۔ بتاؤ بھی اب۔"

حسان سردی میں وہاں سے اٹھ کر آنے پر شدید کوفت کا شکار تھا۔ تو عنایہ کو غصہ آیا تھا۔

"تم اپنا منہ بند کرو گے۔ تب ہی کچھ بتاؤں گی۔ وہ میں کہہ رہی تھی کہ شہزل آجکل مجھے تھوڑی

چپ چپ سی لگتی ہے۔ پہلے جیسے موڈ میں نہیں لگتی۔ تم ایسا کرو اس سے بات کرلو جا کر۔ یہی وقت ٹھیک رہے گا۔"

عنایہ نے قدرے سرگوشی میں حسان سے کہا تھا۔ تو وہ اچھل پڑا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں عنایہ۔ مانا میری طرف تمہارے بہت سے حسب نکلتے ہیں۔ مگر کیوں مجھے اس

ٹھنڈ میں زخمی کرانے کا ارادہ ہے تمہارا۔ کچھ تو خیال کرو۔ ٹھنڈ میں چوٹیں زیادہ دکھتی ہیں عنایہ۔"

وہ اس کے مشورے پر دہائی دے رہا تھا۔ وہ کسی صورت ابھی ماننے پر تیار نہیں تھا۔ تو عنایہ نے سر پر ہاتھ مارا۔

"پاگل۔ اب نہیں تو بعد میں بھی تو یہ بات کرنی ہے ناں۔ تو ابھی کرلو۔ ابھی تو وہ پھر پہلے سے غصے میں نہیں ہوتی ہے۔ بعد میں پھر پہلے جیسی بھوکی شیرنی بن گئی تو؟ اس لیے میری مانو اس سے صاف بات کرلو جا کر۔ اپنا پروپوزل خود اس کے سامنے رکھ دو۔ جاؤ۔" عنایہ اسے ہمت دلا رہی تھی۔ مگر وہ ماننے سے انکاری تھا۔

"ویسے اگر اس نے کہا کہ اس کے دل میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے تو؟"

عنایہ نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ تو حسان کی ہنسی کا خوراک چھوٹا تھا۔

"تو اسے کہوں گا کوئی بات نہیں۔ دماغ میں رکھ لے وہ تو خاکی ہی ہے ناں۔"

حسان کی بات پر عنایہ زیر لب مسکرائی تھی۔ وہ پہلے انکار کرتا رہا پھر مان گیا تھا۔ وہ آہستگی سے زینوں پر چڑھ رہا تھا۔ دل میں خود تھا کہ کہیں وہ انکار نہ کر دے وہ اس کے کمرے کے بند دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے دستک دی۔ تو شہزل نے آکر اسی وقت دروازہ کھولا تھا۔ تو سامنے کھڑے حسان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ حسان نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ اور سوجی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ جیسے کافی دیر سے رو رہی تھی۔ مگر اس نے اس بات کو نظر انداز کرنا ہی بہتر سمجھا۔ وہ جو بات کرنے آیا تھا۔ وہ زیادہ ضروری تھی۔ وہ اندر داخل ہوا۔ اور دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"شہزل وہ مجھے کچھ ضروری بات کرنی تھی تم سے۔ مصروف تو نہیں ہو؟" حسان نے نہایت سنجیدگی سے اسے کہا تھا۔ جو اس کی شخصیت کا حصہ بالکل نہ تھا۔ کوئی حسان کو ایسے سنجیدہ دیکھتا تو اس کی خود ہنسی چھوٹ جاتی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم بولو میں سن رہی ہوں۔" شہزل نے آہستگی سے کہا تھا۔ تو حسان میں تھوڑا حوصلہ پیدا ہوا۔

"سیدھی اور صاف بات ہے شہزل۔ اور میں گھما کر بات نہیں کرنا چاہتا۔"

حسان بول رہا تھا۔ اور شہزل غور سے سن رہی تھی۔ حسان اس کے عین سامنے کھڑا ہوا تھا۔

"تم مجھے بہت پسند ہو شہزل۔ میں اپنی زندگی میں تمہیں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے قبول کرو گی۔؟"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نہایت سنجیدگی اور نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کہ۔ اسے یقین تھا کہ اب بہت کچھ سننا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کوئی ایک آدھ تھپڑ سے بھی نواز دے۔ مگر شہزل کے جواب پر اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی۔ جب وہ بولی تھی۔

"ماموں، ممانی سے کہو۔ جب چاہیں امی سے بات کر لیں مجھے اعتراض نہیں۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ کر بیڈ پر بکھری کتابیں سمیٹنے لگی تھی۔ حسان حیرت میں گھرا واپس زینے پھلانگ رہا تھا۔ مگر اب فکر کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی تھی۔

شہزاد انکار کرنے کا سوچتی ہے۔ اور پھر اسے اس درد کا پھر سے احساس ہوتا ہے جو اس کے دل ٹوٹنے پر اسے ملا تھا۔ اس لیے یہ سوچ کر کہ حسان نہ سہی تو کسی اور کو تو اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا ہوگا۔ تو کیوں ناں اس کا دل توڑنے سے بعض رہے۔

وہ عنایہ کو بتانے آتا ہے تو وہاں ہوتی باتیں سن کر وہ حیرت سے مسکرایا تھا۔

"عنایہ وہ میرال کی امی کا فون آیا تھا۔ وہ بتا رہی تھیں کہ مسز لیاقت کو تم کافی پسند آئی ہو۔ اس لیے وہ کل تمہیں اپنے بیٹے کے لیے دیکھنے آ رہی ہیں۔ اس لیے تیار رہنا۔ کچھ حرکتیں سیدھی کر لو اپنی۔ عقل کرو کچھ۔"

حسان یہ سب سن کر وہیں سے واپس پلٹ جاتا ہے۔ اور عنایہ ، کان بند کر کے عائشہ کی نصیحتیں سنتی رہتی ہے۔

مرتضی بیڈ پر ٹانگیں نیچے لٹکائے لیٹا تھا۔ بازوؤں کو اوپر کیے ہاتھ میں پکڑے موبائل سکرین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ پیر اوپر کرنے لگا تھا تو دیکھا کہ جو گرز پہنے ہوئے تھے تو اس کا جوتے اتارنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا تو دوبارہ نیچے کر لیے تھے۔ اسے ابھی شارخ کے پاس جانا تھا تو دوبارہ جوتے پہننے پڑتے اس لیے نہیں اتارے۔

سکرین پر قدرے غور سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ وہاں عنایہ کا پورا نام ، وہ کہاں اور کیا پڑھ رہی تھی ؟ اس کے خاندان ، اس کے علاوہ اور بھی معلومات تھی۔

NOVELS KI DUNIYA

"عناہ فرید علی"۔ اس نے عناہ کا پورا نام زیر لب پڑھا تھا۔

"مجھے عناہ فرید علی سے محبت ہو گئی ہے۔"

وہ جیسے خود کو بتا رہا تھا۔ جیسے ابھی تک اسے اس چیز پر یقین نہ کر پا رہا ہو۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے کوئی اس قدر پسند آ جائے گا۔ کہ اسے ایسے کسی کو اپنی محبت ہونے کا درجہ دینا پڑے گا۔

"وہ مجھے کیوں اتنی اچھی لگتی ہے۔ اس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔ کیا اس کی معصومیت؟"

وہ چہرے پر ازلی سنجیدگی کیے پرکشش آنکھوں سے چھت کو گھورتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"نہیں۔ شاہد اس کا شوخ اور چنچل مزاج؟"

وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔ اور پھر خود ہی جواب دے رہا تھا۔

"نہیں۔ شاید اس کا پردہ۔ مگر ایسے پردے میں تو اور بھی بہت سی خواتین ہوتی ہیں۔ پھر۔ وہی کیوں؟"

وہ وجہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اور بھی الجھ رہا تھا۔

"پتہ نہیں جو بھی وجہ ہو۔۔ بس وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ بالکل عام حلیے میں بھی بے حد وجہ دکھ رہا تھا۔ تبھی آسیہ کھلے دروازے پر کھڑی دکھائی دی تھیں۔ تو وہ چونکا تھا۔ پھر مسکرایا تھا۔

"کھڑی کیوں ہیں۔ اندر آ جائیں۔" مرتضیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ مگر وہ اندر نہیں آ گئی تھیں۔

"نہیں مرتضیٰ بیٹھنے کا ابھی ٹائم نہیں ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ پھر ہم نکل رہے ہیں۔" وہ تھوڑی جلدی میں لگ رہی تھیں۔ تبھی مرتضیٰ بول پڑا تھا۔

"کیا مطلب تیار ہو جاؤں۔ بالکل ٹھیک تو لگ رہا ہوں۔ اور جان کہاں ہے؟"

"تمہیں بتایا تو تھا۔ کہ جو لڑکی مجھے پسند آئی ہے تمہارے لیے اس کو دیکھنے جانا ہے۔ اس لیے اب دیر مت کرنا۔ میں نیچے انتظار کر رہی ہوں تمہارا۔" وہ جلدی سے کہتے ہوئے واپس مڑ گئی تھیں۔ اور مرتضیٰ کندھے آچکا گیا تھا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ چلا جاتا ہوں۔ امی کو تسلی ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ امی کو عنایہ پسند آ جائے گی۔"

وہ سوچتا ہوا ہینگرز میں لٹکی شرٹس کو آگے پیچھے کر کے دیکھ رہا تھا۔ آسیہ لان میں ٹہلتی ہوئی اس کے انتظار کر رہی تھیں۔ تبھی وہ اندرونی دروازے کے آگے بنے چھوٹے چار زینے پھلانگتے ہوا نظر آیا۔ اسکن جینز پر بلیک ڈریس شرٹ کی آستینیں چڑھائے وہ کلائی پر گھڑی باندھ رہا تھا۔

گھنے سیاہ بال جیل سے پیچھے کو سیٹ کیے ہوئے تھے۔ کتنے خوبصورت نقوش تھے اس کے۔ اس پر سنجیدگی اس کی شخصیت کو رعب دار بناتی تھی۔ وہ آسیہ کے ساتھ کھڑا ان سے خاصا لمبا لگ رہا تھا۔

زونائشہ کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے وہ نہیں جا رہی تھی۔ چوہدری وجاہت کی حویلی میں آج ہر کوئی گھن چکر بنا گھوم رہا تھا۔ جو نہیں بھی گھومنا چاہ رہا تھا اسے عائشہ اور فریدہ زبردستی گھما رہی تھیں۔ ہر چیز کی اچھی سے صفائی کر دی گئی تھی۔ کھانا تو دور کی بات ہے انہیں پیش کی جانے والی چائے بھی عنایہ سے نہیں بنوائی جاسکتی تھی۔ اس لیے کھانے کی ساری تیاری عائشہ اور حسان کی امی نے کی تھی۔

عنایہ بیڈ پر پڑے جوڑے کو دیکھا تھا۔ جو عائشہ اس کے لیے نکال کر گئی تھی۔ وہ ہلکے گلابی رنگ کا نفیس جوڑا تھا۔ عنایہ کا تیار ہونے کو بالکل دل نہیں کر رہا تھا۔ مگر عائشہ کی بات ماننا اس کی آج کے دن مجبوری تھی۔ انعم اور انزم۔ بھی ساتھ کھڑی تھیں۔ تبھی عائشہ آئی تھی۔

"عنایہ تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ اللہ کب عقل آئے گی تمہیں۔ وہ لوگ گھر سے نکل چکے ہیں۔ اور تم ایسے ہی بیٹھی ہو۔ پتہ نہیں کیا دیکھا تم میں انہوں نے؟ کچھ حرکتیں سدھار لو اپنی۔" عائشہ نے اس کے سر پر چت لگائی تھی۔ تو اس کا منہ بنا تھا۔

"امی ان لوگوں کو میں جیسی ہوں ویسے ہی پسند آئی۔ ہوں۔ تو پھر آپ کو مجھے بدلنے کی کیا پڑی ہے۔ ایسا لگ رہا رشتہ نہیں۔ کوئی آفت آرہی ہے۔" وہ التجائیں انداز میں کہتے ہوئے آخر پر بڑائی تھی۔ تو عائشہ نے اسے گھورا تھا۔

"بکواس مت کرو عنایہ۔ جو کہا ہے وہ کرو۔ اور دیر مت کرنا اب۔"

عائشہ کہتے ہوئے جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔ اور عنایہ نے کندھے اچکائے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں مرتضیٰ اور آسیہ اندرونی دروازے کو پار کرتے ہوئے اندر بڑھ رہے تھے۔ گھر کے سب بڑوں نے ان

کا خوش اخلاقی سے استقبال کیا تھا۔ وہ اب ڈرائیونگ روم میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ آسیہ ان سب سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھی۔ اور مرتضیٰ کو یہاں فارغ بیٹھنا بہت کوفت دے رہا تھا۔

عنایہ کے ابو، اور تایا ابو نے مرتضیٰ سے چند سوال کیے تھے۔ جن کے اس نے مناسب جواب دیے تھے۔ تبھی انعم پیچھے سے اندر آئی تھی۔ دو منٹ تک کر واپس پیچھے سے ہی بھاگ گئی تھی۔ وہ عنایہ کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ سامنے تیار بیٹھی تھی۔ جوڑے کے ہمرنگ الگ سٹول کو چہرے کے گرد نفاست سے لپیٹ ہوا تھا۔ جوڑے کے ساتھ کے دوپٹے کو آگے اچھے سے پھیلا کر پنز لگائی ہوئی تھیں۔ میک اپ کے نام پر اس نے ہلکا کہ فلوس لگانے پر اکتفا کیا تھا۔ جس میں بھی وہ دھلی دھلائی، نکھری لگ رہی تھی۔ سیاہ خوبصورت آنکھیں کاجل لگانے سے کچھ اور سیاہ دکھ رہی تھیں۔

"اففف، عنایہ آپ، اففف اتنا ہینڈ سم لڑکا دیکھ کر آئی ہوں میں۔" عنایہ نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ تو انعم اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"اوہو۔ آپ میرا مطلب ہے آپ کے نصیب میں آنے والا وہ ہینڈ سم بندہ دیکھ کر آئی ہوں۔ کیا پر سنیلٹی ہے ان کی۔ کتنے باوقار دکھتے ہیں۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ ان کی امی نے آپ میں دیکھا کیا جو اپنا اتنا خوب رو بیٹا آپ کے حوالے کرنے کا سوچ رہی ہیں۔" انعم سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے عنایہ کو تنگ کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ جس پر عنایہ نے اسے تھپڑ لگایا تھا۔ تو وہ بازو ملنے لگی تھی۔

"بکواس نہیں کرو انعم۔ ہمیشہ فضول گوئی کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے تم نے۔ ارے ہاں مجھے چائے لے کر جانی تھی۔ شکر ہے یاد آگیا۔ ورنہ پھر امی نے دل کھول کر مجھے صلاواتیں سنائی تھیں۔ ہٹو پیچھے۔"

وہ انعم کو پیچھے کرتی ہوئی تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ باورچی خانے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ہر قدم اٹھاتے اس کی ذہن میں انعم کی باتیں گونج رہی تھیں۔ اور وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے تیز قدم اٹھانے لگی تھی۔ بانو چائے اور دوسرے لوازمات سے بھری ٹرالی ڈرائیونگ روم کے باہر تک لے آئی تھی۔

وہ بے نیاز سا بیٹھا تھا۔ اسے اس سب سے جیسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بس جیسے وہ وقت گزاری کے لیے بیٹھا تھا۔ وہ ایک پیر ہلاتے بہت کوفت کا شکار ہو رہا تھا۔ تبھی اس کی نظر سامنے آتی لڑکی پر پڑی تھی۔ جس کے ساتھ ایک عورت ٹرالی گھسیٹے اندر لا رہی تھی۔ آسیہ نے بڑھ کر اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔ اور اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔

مرتضیٰ کی حیرت سے آنکھیں قدرے پھیلی تھیں۔ کچھ لمحے وہ یونہی حیرت میں گھرا رہا۔ پھر جیسے ہی حواسوں میں لوٹا تھا۔ تو فوراً نارمل ہو گیا تھا۔ آسیہ نے بات ابھی پکی نہیں کی تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھیں کہ ایک بار مرتضیٰ کی پسند سے اس کی تسلی کے لیے مل لے۔ مگر وہ اس کی بات یہیں عنایہ سے ہی طے کرے گی۔ پھر سب نے ڈائننگ ہال میں کھانا کھایا تھا۔ اور ان کی واپسی ہو گئی تھی۔

فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کھلے دروازے سے سامنے زریاب کچھ چیزیں سمیٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اور وقفے وقفے سے وہ گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شام کے سات بجے کا وقت تھا۔ اور سردیوں کا موسم ہونے کے باعث ہر طرف بالکل اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور یہی بات نوشابہ کو پریشان کر رہی تھی۔

وہ کمرے میں بیڈ کے سامنے کھڑی کچھ ضروری چیزیں اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال رہی تھی۔ تبھی جلدی سے بڑی چادر اچھے سے پھیلاتے ہوئے وہ ہینڈ بیگ پکڑے باہر نکلی تھی۔ تو سامنے صوفے کے پاس زریاب کو قدرے پریشان تاثرات کے ساتھ دیکھا۔ تو وہ سانس لے کر رہ گئی تھی۔

وہ چلتے ہوئے اس کے پاس آئی۔ اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ابھی تک نوشابہ کے پاس نکاح نامے کی کوئی کاپی نہیں تھی۔ کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہونے سے زریاب نے چونک کر دیکھا۔ تو پیچھے نوشابہ کو کھڑے پایا۔

"کیا ہو گیا ہے زریاب؟ ایسے ہر لمحہ پریشان ہو کر گزارنے سے کیا ہو جائے گا۔ آج نہیں تو کل ہمیں سب کو بتانا تو ہے۔ تو پھر جو کل ہونا ہے وہ آج ہی برداشت کر لیتے ہیں۔" نوشابہ اسے نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ جو ہنوز فکر مند نظر آ رہا تھا۔ تو وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"وہ بات نہیں ہے نوشابہ جو ہو گا۔ وہ ہم دیکھ لیں گے۔ مگر تم ابھی میرے ابا کو نہیں جانتی۔ اگر ان کا جواب ہمارا ہی۔ توقع کے خلاف ہوا تو پھر ہم کیا کریں گے۔۔ بس یہی بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

زریاب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ساتھ کھڑی نوشابہ بھی قدرے فکر مند دکھائی دے رہی تھی۔ وہ زریاب کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"اچھا زریاب تم اتنا پریشان نہ ہو۔ اور دیکھو باہر کتنا اندھیرا ہو گیا ہے۔ اتنی دیر کیوں کر رہے ہیں ہم۔ گاؤں کا سفر اس اندھیرے میں خطرناک ہو گا زریاب۔ تم ٹیکسی والے کو دوبارہ کال کرو۔"

نوشابہ نے فلیٹ کے کھلے دروازے سے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھتے ہوئے قدرے فکر مندی سے کہا۔ تو زریاب سامنے پڑا موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگا تھا۔ اور کسی سے بات کرنے لگا تھا۔

"وہ بس دو منٹ میں آ رہا ہے۔ اور رات کو جانے کا مقصد یہ ہے کہ گاؤں والوں کو پتہ چلنے سے پہلے ایک دفعہ ابا سے معاملات ٹھیک ہو جائیں۔ تو پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہے گا۔ بتا دیں گے سب کو۔"

تبھی باہر ہارن کی آواز آئی تھی۔ اور وہ دونوں چونکے تھے۔ تبھی زریاب اسے لیتا ہوا باہر نکلا۔ فلیٹ کو لاک کرتے ہوئے چابی اپنی جیب میں ڈالی۔ اور دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ٹیکسی گاؤں کے راستے پر رواں دواں تھی۔ سارا سفر پریشانی میں گزرا تھا۔ تقریباً چالیس منٹ میں وہ اپنے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ نوشابہ بھی اتری تھی۔ ٹیکسی والے کو واپس بھیج دیا گیا تھا۔ کہ انہیں یقین تھا کہ وہ آج رات یہیں رہیں گے۔

وہ دونوں چلتے ہوئے دروازے کے پاس پہنچے اور زریاب نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ دونوں کچھ لمحے کھڑے رہے۔ مگر جواب نہ ارد۔ انہیں لگا تھا کہ شاید سب سو گئے ہوں گے۔ کیونکہ گاؤں میں لوگ عام طور پر آٹھ۔ بجے سو جاتے تھے۔ اور اب ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے۔ تبھی زریاب نے دوبارہ دستک دی۔ نوشابہ زریاب سے تھوڑا پیچھے ہو کر ایک طرف کھڑی تھی۔

اندر وہ دونوں واقعی سوچکے تھے۔ پہلے دستک پر انہیں کچھ محسوس نہ ہوا۔ مگر دوسری دستک پر۔ حمید اٹھ گیا تھا۔ اور دروازہ۔ کھولنے کے لیے بستر سے اٹھ رہا تھا۔ تو رشیدہ بھی اسے اٹھتے دیکھ کر اٹھنے لگی تھی۔

"تو کیوں اٹھ رہی ہے۔ میں کھول دیتا ہوں دروازہ۔ سو جا تو۔"

"نہیں، وہ زریاب آیا ہوگا۔ تو اسے کھانا بھی تو دینا ہے۔ تو اس لیے اٹھ رہی ہوں۔"

رشیدہ بولی تھی مگر حمید نے اس کی بات پر غور نہیں کیا تھا۔ اور چادر لپیٹے باہر نکل گیا تھا۔ پیچھے ہی رشیدہ بھی باہر صحن میں آکھڑی ہوئی تھی۔ حمید نے دروازہ کھولا۔ تو سامنے زریاب کو کھڑا پایا۔ تو سامنے سے تھوڑا ہٹ گیا تھا۔

مگر تبھی زریاب کے ساتھ نوشتابہ نے۔ اندر قدم رکھا تھا۔ تو رشیدہ اور حمید دونوں چونکے تھے۔ اور حیرت سے زریاب کی طرف دیکھا تھا۔ تو زریاب کی ہمت اور کم پڑنے لگی تھی۔

"کون ہے یہ لڑکی زریاب؟" حمید نے اپنی بھاری آواز میں غصے سے پوچھا تھا۔ تو زریاب کچھ لمحے بول نہ پایا تھا۔ اس کے پیچھے نوشتابہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ پھر وہ بولا تھا۔

"ابا، یہ بیوی ہے میری۔ میں اس سے نکاح کر چکا ہوں۔ آپ دونوں کی بہو۔۔۔"

اور اسی کے ساتھ ایک زناٹے دار تھپڑ کی آواز آئی تھی۔ اور زریاب کو لگا اس کا سر گھوم گیا تھا۔ زریاب کی بات اُدھوری رہ گئی تھی۔ نوشتابہ نے چونک کر اوپر دیکھا تھا۔ اور حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ پیچھے کھڑی رشیدہ کا دل تڑپا تھا۔ حمید ایک قدم آگے ہوا۔

" جیسے اس کو لے کر آیا ہے۔ ویسے اس کو لے کر واپس جا۔ نکل جا یہاں سے۔ فوراً دفع ہو جا یہاں سے۔ اور آئندہ اس عورت کے ساتھ اس گھر کا رخ نہ کرنا۔ ورنہ دونوں کی جان لے لوں گا میں۔ نکل یہاں سے۔ "

حمید غضبناک ہو کر کہہ رہا تھا۔ اور آخر پر اس نے دھکے دیتے ہوئے ان دونوں کو گھر سے باہر کیا۔ اور دروازہ لگا دیا۔ پیچھے کھڑی رشیدہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے گھٹ رہی تھی۔ مگر وہ حمید کے سامنے کچھ بول نہیں سکتی تھی۔

ان دونوں کو ٹھنڈی، اندھیری سرد رات میں گھر سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ وہ دونوں دروازے کے بالکل پاس ہی کھڑے تھے۔ کچھ لمحے تو جو کچھ ہوا اسے سمجھ نہیں پارہے تھے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ نوشابہ کو لگا ٹھنڈی ہوا اس کی ہڈیوں میں داخل بہو کر اسے سرد کر رہی ہیں۔ وہ دونوں گم سم کھڑے پہلے بند دروازے کو اور پھر ایک دوسرے کو تکتے رہے۔

جاری ہے۔۔۔

(اگلی قسط انشاء اللہ جلد ہی۔۔۔ پتا کرنے کے لیے ہماری سائیٹ وزٹ کریں یا ہمارے انسٹا آکاونٹ پر کانٹیکٹ کریں۔۔)

NOVELS KI DUNIYA

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَّابُ

ناولز کی دنیا کے ناولز میں خوش آمدید

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہریج کے نیچے

["novels ki duniya"](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔